

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
رسولِ رحمت

(2)



ریاض احمد سید



انسٹی ٹیوٹ آف سمیرت سٹڈیز

پوسٹ بکس 2145

اسلام آباد
(پاکستان)

DATE

ED

1994-99/1

128

جلد حقوق بحق انسٹیٹیوٹ آف سیرت سٹڈیز محفوظ

28590

کتاب _____ رسول رحمت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

مصنف _____ دیامنی احمد سید

صفحات _____ 240

طبع _____ اول

تعداد _____ ایک ہزار

پرسی _____

سال اشاعت _____ 1985ء

ناشر _____ انسٹیٹیوٹ آف سیرت سٹڈیز اسلام آباد

قیمت (لائبریری ایڈیشن) _____ 75 روپے

" (عام ایڈیشن) _____ 40 روپے

2

2

فہرست مضامین

صفحہ	عنوان	نمبر شمار
	پہلا باب رسولِ رحمت دشمنوں کے لئے	1
	دوسرا باب رسولِ رحمت خواتین کے لئے	2
	تیسرا باب رسولِ رحمت غلاموں کے لئے	3
	چوتھا باب رسولِ رحمت اہلِ خانہ کے لئے	4
	پانچواں باب رسولِ رحمت جانوروں کے لئے	5
	چھٹا باب رسولِ رحمت بسلسلہ عبادات	6
	ساتواں باب رحمة للعالمین	7
	کتابیات	8

۱۸

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

افستار حیات

حیاتِ مستعار کے چالیس برس گزار چکا ہوں۔ کوئی پندرہ برس تو خامہ فرسائی کرتے ہوئے بھی بیت گئے۔ بہت کھا، ہزاروں صفحے سیاہ کئے، لیکن شتر بے ہمار رہا۔ کچھ سمجھ نہیں آتا تھا کہ کیوں بکھر رہا ہوں۔ بس ایک عادت سی بن گئی تھی، ایک طرح کا نشہ سا تھا، لکھے بغیر رہا نہیں جاتا تھا۔

زندگی کی گارڈی اسی ڈگر پر رواں دواں تھی کہ کوئی دو سال قبل ایک چھوٹے سے واقعے نے میرے قلم کی جولانیوں اور فکر کی توانائیوں کا رخ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت نگاری کی طرف موڑ دیا۔ دل سے عہد کر لیا کہ اسندہ قلم اٹھے گا تو صرف مدحِ رسولِ عربی میں۔ خدائے بزرگ و برتر سے مدد اور توفیق کی دعا مانگی اور ایک سجد گھڑی اس مشن کا ڈول ڈال دیا۔

چھوٹے بچوں کے لئے سیرت کے موضوع پر کتابوں کی قلت کے پیشِ نظر پہلی کتاب ہی ان کے لئے لکھی، حیاتِ اقدس کے مختلف گوشوں کو منور کرنے والی کہانیوں کا مجموعہ "قصص الرسول" کے نام سے چھپا اور خدائے قدوس کے کرم سے وہ قبولِ عام پایا کہ شاید وہ بایہ ذریعہ نظر کاوشِ رسولِ رحمت بھی بچوں کے لئے ہے۔ مگر ذرا اوپر کے AGE GROUP کے لئے ثانوی سطح کے طلباء اور عام پڑھے لکھے لوگ اس سے بہتر طور پر مستفید ہو سکیں گے۔

حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم برا پارِ رحمت ہیں۔ آپ کی ذاتِ اقدس تمام جہانوں، سب امتوں اور سب زمانوں کے لئے ذریعہ ہدایت ہے۔ آپ آخری نبی ہیں۔ اور قیامت تک کائناتِ آپ ہی کے سایہِ رحمت میں رہے گی۔ آپ کی رحمت دنیا میں بسنے والے ہر شخص کو گون کے لئے ہے خواہ وہ کسی رنگ و نسل یا مذہب و ملت سے تعلق رکھتے ہوں۔

حضور سرورِ کائنات کی شانِ رحمت کے حوالے سے بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور تا قیامت لکھا جاتا رہے گا۔

انتساب

اُمتِ مُسلمہ کے نوجوانوں کے نام



- اس یقین کے ساتھ — کہ وہ رسولِ عربیؐ کی وراثت کے بہترین ہیں۔
- اس توقع کے ساتھ — کہ وہ سیرتؐ کے پیغام کو عام کریں گے۔
- اس خواہش کے ساتھ — کہ وہ امتِ مسلمہ کی سرملندی کا وسیلہ بنیں۔
- اس عزم کے ساتھ — کہ ان کے شب و روز اسلامی انقلاب کے لئے وقف ہونگے۔
- اس درخواست کے ساتھ — کہ وہ اپنی زندگیوں کو اسلام کا عملی نمونہ بنائیں۔
- اس دُعا کے ساتھ — کہ ان کا کل آج سے بہتر ہو۔

رسولِ رحمتؐ



دشمنوں

کے لئے



رسول رحمت

دشمنوں کے لئے

تعارف :- انسانی فطرت کا تقاضا ہے کہ نیکی کا جواب نیکی اور برائی کا جواب برائی سے دیا جائے۔ کوئی آپ سے اچھا سلوک کرے تو خواہ مخواہ دل میں اس کیلئے اچھے جذبات پیدا ہوتے ہیں اور اگر کوئی برائی کرے، تو جی چاہتا ہے کہ اس کا بدلہ بھی اسی انداز سے چکایا جائے۔ انسان کا یہ فعل فطرت کے عین مطابق ہے۔ ایسا کر کے وہ مطمئن ہو جاتا ہے اور ذہن میں کسی قسم کی خلش نہیں رہتی۔

لیکن ہم اپنے ارد گرد نظر دوڑائیں تو بعض اوقات یہ اصول ٹوٹتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ کچھ رشتے ایسے بھی ہیں جہاں انسان کا فطری جذبہ محبت جیسا کرو گے ویسا بھرو گے کے فلسفہ پر غالب آجاتا ہے۔ مثال کے طور پر والدین اولاد کے لئے بے حد مشفق اور مہربان ہوتے ہیں، بچہ اگر نابالغی میں یا جان بوجھ کر بھی ماں باپ کے ساتھ گستاخی کرے تو عام طور پر زیادتی کا جواب زیادتی سے نہیں دیا جاتا۔ بلکہ محبت اور شفقت کا جذبہ غالب آجاتا ہے۔

میں نے یہاں والدین کے جذبہ شفقت کا ذکر اس لئے کیا ہے کہ دنیوی رشتوں میں، ماں باپ، خاص طور پر ماں کی محبت ضرب المثل ہے۔ ممتا ہی وہ سچا جذبہ ہے جو اپنی اولاد کو کسی بھی تنگی یا تکلیف میں نہیں دیکھ سکتا۔ اور ماں کی محبت کی معراج یہ ہے کہ وہ اولاد کے لئے اپنی جان تک قربان کر سکتی ہے۔

اب قرآن ایک اور حقیقت کی طرف آئے۔ وہ یہ کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات رحیم بھی ہے کریم بھی۔ مشفق بھی ہے مہربان بھی۔ اور پھر وہ پروردگار بھی ہے یعنی سب کو روزی دیتا ہے اور پالتا ہے ماس کے علاوہ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اللہ کو اپنے بندوں سے محبت ہے۔ کسی قدر محبت ہے، اس کا جواب ہمیں مختلف احادیث سے ملتا ہے۔ کہ حضور سرور کونین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کو اپنے بندوں سے اس سے کہیں زیادہ محبت ہے، جتنی کہ ماں کو اولاد سے ہوتی ہے یہاں کوئی پیمانہ مقرر نہیں فرمایا۔ ماں کی محبت کو ہم مثالی سمجھتے ہیں اور اس سے زیادہ کا تصور نہیں کرتے۔ مگر پتہ چلا کہ ماں کی ممتا تو کچھ بھی نہیں، خدائے بزرگ و برتر کو تو اپنے بندوں کے ساتھ اس سے کہیں زیادہ محبت ہے۔

ایک قدم اور آگے بڑھیے۔ حضور سرور کائنات اللہ کے آخری

رسولؐ ہیں۔ آپؐ پر نبوت اور شریعت ختم ہو گئی۔ قیامت تک آپؐ ہی کے دین کا ڈنکا بجے گا۔ آپؐ کے ننانوے صفاتی نام ہیں۔ لیکن ان میں سب سے اہم اور افضل رحمت ہے۔ اور اس حقیقت کی گواہی خود اللہ تبارک و تعالیٰ نے دی ہے۔ سورہ انبیاء میں ارشاد ہوتا ہے۔

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ۔

ترجمہ:۔ اے نبی ہم نے آپؐ کو تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

گویا آپؐ کی بعثت کا مقصد ہی یہ ہے کہ آپؐ کے مبارک وجود سے صرف اس دنیا ہی نہیں بلکہ تمام جہانوں پر اللہ کی رحمت کا نزول ہو۔ تو جس رحمت کی گواہی اللہ کی ذات دے رہی ہے۔ وہ رحمت الہی کا حصہ ہی ہے، کوئی اس سے الگ چیز نہیں۔ رحمت کے جو پیمانے ذاتِ حق کے ہاں ہیں، انہیں کی جھک ہمیں رحمۃ للعالمینؐ کے ہاں بھی ملے گی۔

تو دوستو! اب موضوع کی طرف پلٹے۔ اللہ کے برگزیدہ نبیؐ، جن کا وجود سراپا رحمت ہے، کسی خاص قوم، ملک، خطے، علاقے یا وقت کیلئے نہیں ہیں، بلکہ ان کی ذات بابرکات تو پوری کائنات کے لئے باعثِ رحمت ہے۔ وہ اپنوں، پرانیوں، دوست، دشمن، کبھی، کے لئے رحمت ہیں۔

اس باب میں دشمنوں کے ساتھ حضور سرورِ کونینؐ کے حسن سلوک کا ذکر ہے۔
دوستوں کو تو بھی چاہتے ہیں لیکن دشمنوں کو چاہنے والا کوئی نہیں ملے گا۔
جناب رسالتؐ نے ان کو بھی اپنے سایہ رحمت میں لیا، اُن کی سختیاں
سہیں، مگر اُن تک نہ کی۔ ان کے مظالم برداشت کئے، لیکن بد دعا
تک نہ دی، بد دعا تو دوزخ کی بات ہے، الٹی اُن کے حق میں دعائے خیر
کی۔ ان کو پریشان دیکھا، تو خود بھی پریشان ہو گئے۔ انہیں مفلس پایا تو دل
بھرا آیا، اور ہر ممکن مدد فرمائی۔ خون کے پیاسوں کے ساتھ محبت، شفقت
اور رحمت کی یہ ایک انوکھی مثال ہے۔ اس کی نظیر ماضی میں ہے، نہ مستقبل
میں ملے گی۔

اس باب کو ان عنوانات کے تحت ترتیب دیا گیا ہے۔

- 1۔ انتقام سے گریز
- 2۔ بد دعا سے گریز
- 3۔ قوم کا غم
- 4۔ فتح مکہ اور سیلابِ رحمت

۱۔ انتقام سے گریز

(ابو جہل کا واقعہ :- انتقام انسانی فطرت ہے۔ مگر حضورؐ نے اپنی ذات کی خاطر کبھی کسی سے انتقام نہیں لیا اور نہ ہی اس کی حوصلہ افزائی فرمائی۔ ابو جہل کی اسلام دشمنی کسی سے پوشیدہ نہیں، حضورؐ نے کفار کو حق کی دعوت دی، تو وہ مخالفت میں سب سے آگے تھا۔ باقی تو محض زبانی کلامی مخالفت کرتے تھے، جبکہ ابو جہل علی تشدد سے بھی باز نہیں آتا تھا۔ ایک دفعہ حضورؐ سرور کائنات خانہ کعبہ میں نماز پڑھ رہے تھے کہ یہ بد بخت بھی اُدھر جا نکلا۔ آپؐ اطمینان سے نماز پڑھتے رہے، گلے میں چادر پڑی ہوئی تھی۔ ظالم نے موقع غنیمت جانا اور چادر کو اس زور سے کھینچا کہ جناب رسالتؐ کی آنکھیں اُبل پڑیں۔

حضرت حمزہؓ حضورؐ کے چچا تھے۔ ابھی اسلام نہیں لائے تھے لیکن بھتیجے سے ہمدردی رکھتے تھے۔ ابو جہل کی زیادتی کا سنا تو بے تاب ہو گئے۔ اُسی لمحے اس کی تلاش میں نکلے، دیکھا کہ خانہ کعبہ میں بیٹھا گپیں ہانک رہا ہے۔ سیدھے اس کی طرف گئے اور اپنی کمان اس زور سے اس کے سر پر ماری، کہ خون جاری ہو گیا۔

ابو جہل ہٹکا بٹکا رہ گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ حمزہؓ کو کیا ہو گیا۔

وہ تو انہیں اپنا ساتھی سمجھتا تھا، لیکن آج جو طور بدلے ہوئے دیکھے تو پریشان ہو گیا۔ ابھی کچھ کہنے ہی کو تھا کہ حضرت حمزہؓ گرجے، خبردار! جو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف میلی آنکھ سے دیکھا۔ کیا تم نے انہیں لاوارث سمجھ رکھا ہے۔ ابھی ہم زندہ ہیں۔

ابو جہل کو تو جیسے ساپ سونگھ گیا ہو۔ زبان تک نہ ہلائی۔ اسے تو حضرت حمزہؓ کی یہ ساری کارروائی سنت اچنبھا لگ رہی تھی۔ ادھر سے فارغ ہونے کے بعد حضرت حمزہؓ سیدھے حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ابو جہل سے انتقام لینے کی داستان کہہ سنائی۔

اس پر رحمت دو جہانؑ نے فرمایا چچا جان: مجھے اس انتقام وغیرہ سے کوئی دلچسپی نہیں۔ ہاں البتہ اگر آپ مسلمان ہو جائیں تو مجھے بے حد خوشی ہوگی۔

حضورؐ کے اس ارشاد نے حضرت حمزہؓ کی کایا پلٹ دی، اور آپ مسلمان ہو گئے۔

دوستو! غور کریں ایک بدترین دشمن سے انتقام لینے جانے کی ذرا خوشی نہیں۔ اور اگر خوشی ہے تو اس بات کی کہ ان کے ایک عزیز اسلام کی دولت سے مالا مال ہوں اور ہدایت کی راہ پائیں۔

(عمیر بن وہب کا واقعہ۔ ایسا ہی ایک واقعہ ۳۰۰ میں پیش آیا۔)

غزوہ بدر میں قریش مکہ کا زبردست نقصان ہوا تھا۔ ان کے کئی نامور سردار مارے گئے تھے۔ کفار کو اس کا بہت صدمہ تھا۔ وہ مسلمانوں سے انتقام لینے کی تدبیریں سوچتے رہتے تھے۔ چنانچہ کافی غور و خوض کے بعد فیصلہ کیا کہ کسی طریقہ سے حضورؐ کا ہی خاتمہ کر دیں۔

اب مسئلہ پیدا ہوا کہ یہ کام کون کرے۔ کوئی بھی جان کو خطرے میں نہیں ڈالنا چاہتا تھا، قریش کے ایک سردار صفوان بن امیہ نے اس کا حل یوں نکالا کہ حضورؐ کے ایک پرانے دشمن عیمر بن وہب کو بھاری انعام کا لالچ دے کر اس کام کے لئے آمادہ کر لیا۔

چنانچہ عیمر نے اپنی تلوار زہر میں بھجائی اور منزلیں طے کرتا ہوا مدینے پہنچ گیا، موقعہ کی تلاش میں تھا کہ صحابہؓ کو شک گذرے۔ پھر کھڑکی کی تفتیش کی تو اس نے سارا قصہ کہہ سنایا۔

مقدمہ جناب سرور کوئین کے حضور پیش ہوا تو آپؐ نے کمال مہربانی فرماتے ہوئے معاف کر دیا اور فرمایا کہ اُسے کھلی چھٹی ہے۔ جہاں جی چاہے چلا جائے۔

عیمر نے عرض کی یا رسول اللہ! آپؐ جیسی مشفق اور مہربان ہستی کو چھوڑ کر

اب اور کہاں جاؤں گا۔ یہ کہا اور کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔

(قریش کی سازش :- اور آگے چلیں قحط میں مدینہ کے مقام پر

مسلمانوں اور کفار کے درمیان ایک معاہدہ ہوتا ہے، جسے تاریخ میں

صلح حدیبیہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ معاہدہ قریش مکہ نے مسلمانوں کی تعداد اور طاقت سے خوفزدہ ہو کر کیا۔ مگر ان کے دلوں میں کھوٹ موجود تھا۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ ادھر صلح کے لئے بات چیت ہو رہی تھی، اور دونوں طرف کے سفیر شرائط طے کر رہے تھے، ادھر قریش نے خفیہ طور پر اسی آدمیوں کی ڈیوٹی لگائی کہ معاہدہ طے ہونے سے قبل ہی کسی طریقے سے رسول خدا کو ہلاک کر دیں۔ یہ لوگ بھی بدل کر اسلامی لشکر میں داخل ہو گئے اور موقع کی تلاش میں رہے۔ مگر اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے نبیؐ کو کفار کے اس منصوبے سے آگاہ کر دیا۔ سب سازشیں گر فتار ہوئے اور حضورؐ کے سامنے پیش کئے گئے۔ حضور سرورِ کونین کی رحمت ملاحظہ ہو کہ سزا دینے کی بجائے انہیں معاف فرما دیا۔ اور اس حسن سلوک کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ سب کے سب مسلمان ہو گئے۔

یہودی سازش :- ہجرت کے وقت مدینہ میں کافی تعداد میں یہودی آباد تھے۔ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک معاہدے کے تحت انہیں وہیں رہنے کی اجازت دے دی۔ مگر وہ مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی طاقت سے سخت خوفزدہ تھے۔ چنانچہ رسول خدا کی جان کے درپے ہو گئے۔ قصہ کچھ یوں ہے کہ ایک روز آپؐ قتل کے کسی مقدمے میں منصف کے طور پر بلایا ایک دیوار کے سامنے

نشست کا انتظام کیا گیا۔ منصوبہ یہ تھا کہ موقع پا کر عمرو نامی یہودی دیوار
 پر سے ایک بھاری پتھر آپ پر لڑھکا دے گا۔ لیکن اللہ کے اپنے پیار سے
 نبیؐ کو پہلے سے آگاہ کر دیا اور آپؐ اپنی جگہ سے ہٹ گئے۔ سازش کی
 نامی یہودیوں کے اوسان خطا ہو گئے کہ اب رسولِ خداؐ سخت سزا دیں گے
 مگر آپؐ نے ایسا کرنے کی بجائے انہیں سازو سامان سمیت شہر چھوڑنے کی
 اجازت دے دی اور وہ خیر جا کر آباد ہو گئے۔

یہودوں کی حرکت :- خیبر میں بھی یہودیوں کی سازشیں جاری رہیں تو حبشہ
 میں مسلمانوں نے یہ قلعہ بھی فتح کر لیا۔ فتح کے بعد رسولِ خداؐ کچھ دنوں کے لئے
 وہیں رک گئے۔ یہودی سردار مرحب کو شکست کا سخت صدمہ تھا۔ چنانچہ اپنی
 بھانج زینب بنت حارث کے ساتھ مل کر حضورؐ کو زہر دینے کا منصوبہ
 بنایا۔ پروگرام کے مطابق جناب رسالتؐ کو چیدہ چیدہ صحابہ کے ہمراہ
 دعوت پر بلایا اور کھانے میں زہر ملا دیا۔ حضورؐ سردیہ کو نبیؐ کو سازش کا
 پیشگی علم ہو گیا، مگر جن صحابہؓ نے ایک دو نوالے لے لئے تھے، اُن کی
 حالت غیر ہو گئی۔ معاملہ کی تفتیش ہوئی تو زینب نے اقرار جرم کر لیا۔ مگر
 مگر رحمۃ للعالمینؐ نے انتقام لینے کی بجائے معاف فرمادیا۔²

2۔ بددعاء سے گریز

دشمنوں کے حق میں بددعا کرنا انسانی فطرت میں شامل ہے۔ لیکن پیغمبر کا درجہ عام انسانوں سے کہیں بلند ہوتا ہے، وہ تو گایاں مس کر بھی دعا دیتے ہیں۔ اور پھر حضور بنی اکرمؐ تو سبھی کے سردار اور رحمۃ للعالمین ہیں قریش مکہ نے آپؐ اور آپؐ کے ساتھیوں پر مظالم کی انتہا کر دی، جناب رسالتؐ کی شانِ رحمت ملاحظہ ہو کہ کسی کے بارے میں بھی نہ سوچا۔ ایک دفعہ بعض صحابہ نے عمن کی یا رسول اللہ! کفار کے ہمارے حد سے بڑھتے جا رہے ہیں۔ ان کے حق میں بددعا فرمائیے۔ یہ سُن کر چہرہ مبارک سُرخ ہو گیا۔ فرمایا:

”میں دنیا کے لئے لعنت نہیں بلکہ رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔“

اہل طائف :- مکہ والوں نے ہدایت پر کان نہ دھرے تو حضورؐ طائف تشریف لے گئے کہ شاید وہ دینِ حق قبول کر لیں۔ مگر طائف کے سردار مکہ والوں سے کم نہ نکلے، انہوں نے آپؐ کی بات سننے سے ہی انکار کر دیا یہی نہیں بلکہ شہر کے آوارہ لڑکے پیچھے لگا دیئے جو آپؐ پر آوازے کرتے تھے اور پتھر مارتے جاتے تھے۔ یہ سُنک باری اس قدر ہوئی کہ جسم مبارک

ایک ایک حصہ زخمی ہو گیا اور جوتے خون سے بھر گئے۔
تھک کر ایک باغ کی دیوار کے ساتھ بیٹھ گئے تو غیب سے آواز آئی
رسول اللہ! اگر حکم ہو تو ان پہاڑوں کو طائف پر الٹ دوں اور بستی
وں کو تہس نہس کر دوں۔

حبیب خدا کی شان رحمت ملاحظہ ہو کہ زخموں سے چور ہونے کے باوجود
مقام لینے سے انکار کر دیتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں۔ ہرگز نہیں، ممکن ہے انکی
نسل سے ہی اللہ کی عبادت کرنے والے پیدا ہو جائیں!

دس بارہ برس بعد اہل طائف کو دوبارہ اسلام کی دعوت دی گئی، تو وہ
مسلمانوں کے مقابلے میں فوج لے آئے۔ ان کی ہٹ دھرمی دیکھی تو بعض
صحابہؓ نے عرض کی۔ یا رسول اللہ! انہیں سمجھا کر بہت دیکھ لیا شاید ہدایت
ان کے نصیب میں نہیں، ان کے لئے بد دُعا کیجئے حضور سرورِ کونینؐ نے
ساتھ اٹھائے، لوگ سمجھے کہ بد دُعا کریں گے۔ مگر آپؐ کی زبانِ مبارک سے
نکل۔

یا اللہ! طائف والوں کو اسلام نصیب کر اور انہیں دوست بنا کر مدینہ میں لا۔
اور پھر سب نے دیکھا کہ رسول خدا کی دُعا منظور ہوئی اور اہل طائف اسلام
کی دولت سے مالا مال ہوئے۔²

میدانِ اُحد :- اُحد کے میدان میں مسلمانوں کے پاؤں اکھڑے تو کفار کی ایک لڑی نے حضور کو گھیر لیا۔ ہر کوئی بڑھ بڑھ کر وار کرنے لگا جس کا ہاتھ جو چیز آئی اٹھا کر پھینک دی۔ کسی نے تیر مارے کسی نے تلوار چلائیں، اور کسی نے پتھر پھینکے۔ حضور سرورِ عالمؐ کو کئی زخم آئے۔ دُعا مبارک بھی شہید ہو گئے۔ ایسے میں کوئی اور ہوتا تو غصے سے باؤلا ہو جاتا اور دشمن کو نہ جانے کیا کیا کو سنے دیتا۔

مگر جناب رسالتؐ کے قربان جانیئے کہ دشمنوں کے حق میں مسلسل فرماتے رہے۔

”خدا یا ! ان کو معاف کر دینا کیونکہ یہ نا سمجھ ہیں۔“

3۔ قوم کا غم

اہو سکتا ہے کہ کوئی نیک اور رحمدل شخص اپنے دشمنوں کے مظالم و جرائم کا فوٹس نہ لے۔ اور دل میں یہ سوچ لے کہ اللہ بہتر انصاف کر رہا ہے، وہ خود ہی ظالموں سے نمٹ لے گا۔ اور حیب اللہ کی رسی کھینچ لگے گی تو وہ لازماً اطمینان کا سانس لے گا، کہ چلو اب واسطہ بڑے سے پڑ گیا ہے۔ اگلی پچھلی کسر نکل جائے گی۔

مگر حضور سرورِ کونینؐ کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔ وہاں تو یہ

راہیں کہ دشمن کو اللہ ہی پکڑ لے۔ وہاں بھی رحمت جوش میں آجاتی
 - آزمائش دین کی ہو یا دنیا کی، ہر طرف سے دل کڑھتا ہے۔ کہیں یہ
 ہے کہ دشمن ہدایت سے محروم نہ رہے جائیں تو کبھی یہ نکر جان کھائے
 رہی ہے کہ کہیں جھوک سے ہلاک نہ ہو جائیں۔ دشمن کے لئے رحمت
 یہ انداز صرف اور صرف جناب رحمت للعالمین کے ہاں مل سکتا ہے۔
دشمن ہدایت سے محروم نہ رہیں:- حضور سرور کائناتؐ نے
 عرب کو حق کی دعوت دی تو جواب بے حد حوصلہ شکن تھا۔ بات
 تو کجا، وہ تو اٹھا آپؐ کا مذاق اڑاتے اور ہر طرح سے مخالفت کرتے۔
 پھر جس قدر انہیں نیکی کی طرف بلاتے، وہ اتنا ہی کفر پر اصرار کرتے
 ن حکیم کا نزول جاری تھا۔ کفار کی مخالفت میں شدت آئی، تو یکے
 دیگر سے ایسی آیات نازل ہوئیں، جن میں تنبیہ تھی۔ اور کفار کو
 صہکایا گیا تھا کہ اگر وہ اپنی کرتوتوں سے باز نہ آئے، تو ان سے
 ہر طریقے سے بھی نمٹا جاسکتا ہے۔ سورہ ہود میں یہ تنبیہ کچھ زیادہ
 واضح انداز میں تھی۔

حضور سرور کائناتؐ کا جذبہ رحمت ملاحظہ ہو۔ کہ ایسی آیات کے تسلسل
 سے پریشان ہو گئے۔ طبیعت نڈھال رہنے لگی اور صحت جواب دے گئی۔
 صابہؓ کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ آخر کیا ماجرا ہے۔ ادب کا تقاضا تھا کہ

کھل کر پوچھ بھی نہیں سکتے تھے۔ مگر حضرت ابوبکر صدیقؓ سے نہ رہا گیا، ایک دن پوچھ ہی لیا کہ یا رسول اللہ! کیا بات ہے آپ دن بدن بوڑھے ہوتے جا رہے ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا۔ ابوبکرؓ مجھے سورۃ ہود اور اس قسم کی دوسری سورتوں نے بوڑھا کر دیا ہے۔ قوم کی ہٹ دھری سے پریشان ہوتا ہوں، مبادا وہ کفر پر ڈلی رہے اور ہدایت کی ہلت ختم ہو جائے۔ سبحان اللہ! ہادی حق کی کربھی کے قربان جاؤں، کہ کفار دشمنی میں باؤ لے ہو رہے ہیں، کون ساقم تھا جو آپؐ پر نہ توڑا گیا، اور ادھر آپؐ اس غم میں گھلے جا رہے ہیں کہ کہیں وہ راہ ہدایت سے محروم نہ رہ جائیں۔

دشمن بھوکے نہ رہیں:- (قریش مکہ کی سختیاں حد سے بڑھ گئیں تو حضورؐ رسالتؐ اپنے ساتھیوں سمیت ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔ ہجرت ہماری تاریخ کا ایک نہایت اہم واقعہ ہے، اور اسی سے اسلامی کینڈر کا آغاز ہوتا ہے۔ مدینہ پہنچ کر مسلمانوں کو کچھ سکون نصیب ہوا۔ اسلام کی قوت میں اضافہ ہونے لگا اور اس بستی پر اللہ کی رحمتیں نازل ہونے لگیں۔ جن کا سلسلہ آج تک جاری ہے اور رہتی دنیا تک جاری رہے گا۔

کہنا خدا کا یہ ہوا، کہ مسلمانوں کو مدینہ آئے ابھی تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ مکہ میں قحط پڑ گیا، غلے کی قیمتیں آسمان سے باتیں کرنے لگیں۔ امیرِ مومنین جوں جوں مکہ کے گزارہ کر لیتے تھے، مگر غریبوں کا جینا دُوبھر ہو گیا۔ اور نوبت

توں تک پہنچ گئی۔

حضور رحمتِ دو عالم کو پتہ چلا تو افسردہ ہو گئے۔ سوچا کہ کتے والے لاکھ
کتنے سہی، لیکن میں تو اللہ کی مخلوق اور انہیں یوں قاتلوں سے نہیں مرنا چاہیے۔
انچہ اسی وقت صحابہؓ کو مسجد میں جمع فرما کر صورتِ حال سے آگاہ کیا۔
اس سے جو ہو سکالے آیا اور دیکھتے ہی دیکھتے اچھی خاصی رقم جمع ہو گئی۔
ری طور پر رقم ایک ایلی کے حوالے کی گئی کہ مکہ جا کر ابوسفیان کے
دروکے، تاکہ جلد از جلد مستحقین میں تقسیم ہو سکے۔

ادھر مکہ والوں کا حال ملاحظہ ہو۔ ایلی رقم اور حضورؐ کا پیغام لے کر
ابوسفیان کی خدمت میں حاضر ہوا تو قریش کا یہ سردار حیرت سے بہت بن گیا۔
کسی مخالف سے اس قسم کے حسن سلوک کا سوچ بھی نہ سکتا تھا۔ فوراً ذہن
کا خیال آیا ممکن ہے یہ کوئی سیاسی چال ہو اور محمدؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم،
مکہ والوں کو اپنا گرویدہ بنانا چاہتے ہوں، یہ سوچ کر ارادہ کیا کہ رقم
وہ لے۔ ابھی اسی کشمکش میں ہی تھا کہ مکہ کے فاجر زردوں کو جناب
رسول اللہؐ کے اس تحفے کا علم ہو گیا، وہ تو سرپٹ دوڑتے آئے اور اپنے
دار کو ایسے ارادے سے باز رکھا۔

ابوسفیان مجبور ہو گیا۔ امدادی رقم مستحقین میں تقسیم کر دی۔ مکہ کے بے بس اور
دروگوں کے لئے حضورؐ کا یہ تحفہ رحمتِ ثابت ہوا۔ وہ قحط کے ہاتھوں ہلاک

کھٹے سے بچ گئے۔ اور نبی رحمتؐ کے گئی گانے لگے۔

دوستوں عالمی تاریخ کو ایک ہرے سے دوسرے ہرے تک پڑھ جائیں

دشمنوں کے ساتھ محبت و شفقت کی ایسی مثال ڈھونڈنے سے نہ ملے گی۔

آج کا چلن تو یہ ہے کہ دشمن کو پریشانی اور مصیبت میں مبتلا کر کے اس کا

زور توڑا جائے، اور قدموں میں گرنے پر مجبور کر دیا جائے۔ اس قسم کے

حسن سلوک کی توقع صرف اور صرف حضور سرور کائناتؐ اور رحمتِ دو عالمؐ کی

ذاتِ اقدس سے ہی کی جاسکتی ہے۔

واقعہ دوم :- اسی طرح کا ایک اور بھی واقعہ سیرت اور احادیث کا

کتابوں میں ملتا ہے۔ ہجرت کے بعد مدینہ میں اسلامی ریاست کی بنیاد پڑی

مکہ والوں کے مظالم سے نجات ملی، تو حضورؐ تبلیغِ دین کے کام میں پوری

طرح سے مصروف ہو گئے۔ ارد گرد کے قبائل اور علاقوں میں سفارتیں بھیج

کر اسلام کی دعوت دی، حق کی آواز میں اس قدر کشش تھی کہ بہت سارے

تو اپنے آپ ہی کھینچے چلے آئے اور دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ جبکہ

بعض نے آسانی سے باپ دادا کا مذہب نہ چھوڑا اور قریش مکہ کی طرح مسلمانوں

کے دشمن بن گئے۔

انہیں لوگوں میں پیام کا حاکم شمار بھی شامل تھا۔ اس کا تعلق بنو حنیئہ

کے قبیلہ سے تھا، بے حد دلیر اور شہ زور انسان تھا۔ پیام کی زمینیں

اگلی قمیص۔ غلہ اس کثرت سے پیدا ہوتا تھا کہ مکہ سمیت ارد گرد کے علاقوں کو بھی فراہم کیا جاتا تھا۔

تمامہ کو قدرت نے ہدایت بخشی اور وہ اسلام کی دولت سے مالا مال ہوا۔
تو کفار مکہ کی حیرت کی انتہا نہ رہی، کہ یہ شخص مسلمان کیسے ہو گیا۔ وہ تو اُسے اپنا ساتھی اور مددگار سمجھتے تھے۔ چنانچہ طعنہ دیا کہ تمامہ! ہمیں توقع نہیں تھی کہ کہ نئے دین کا جادو تمہارے اوپر اس قدر چل جائے گا اور تم اپنے آباؤ اجداد کا مذہب ترک کر دو گے۔

کفار مکہ کو تو دراصل پیامہ سے آنے والے غلے کی فکر تھی۔ اور ڈرتا تھا اسلام قبول کرنے کے بعد تمامہ کہیں اس کی ترسیل ہی بند نہ کر دیں۔ چنانچہ یہی ہوا، مکہ والوں کے طعنوں نے تمامہ پر الٹا اثر کیا۔ اسلام کے بارے میں غلط سلط باتیں سن کر طیش میں آگئے اور کہا خدا کی قسم! اب رسول اللہ کی اجازت کے بغیر تمہیں اناج کا ایک دانہ نہیں دوں گا۔

اس بندش سے مکہ میں اناج کا کال پڑ گیا، نوبت فاقوں تک پہنچی تو قریش نے بھی اُسی دروازے کی طرف رجوع کیا، جہاں سے کوئی سائل خالی نہیں جاتا۔ ابوسفیان دوڑا دوڑا مدینے گیا اور رحمتِ دو عالم سے درخواست کی کہ تمامہ کو غلہ کی بندش ختم کرنے کے لئے کہیں۔

ابوسفیان کی فریاد سن کر سرکارِ دو جہاں کی نگاہوں کے سامنے شعب ابی طالب

۱۔ شعب ابی طالب: عربی زبان میں شعب کا مطلب ہے پہاڑوں کے درمیان تنگ جگہ
۲۔ باقی اگلے صفحے پر

کا نقشہ پھر گیا۔ یہ وہی قریش تھے جنہوں نے حضورؐ اور ان کے خاندان کو مکہ سے باہر ایک ویران جگہ پر دھکیل دیا تھا۔ ان کا مکمل طور پر معاشی اور معاشرتی بائیکاٹ کیا تھا۔ طاندان رسالت پر تکالیف اور مصائب کے یہ پہاڑ تین سال تک ٹوٹتے رہے۔ مگر انہوں نے اُن تک نہ کی۔

کوئی عام آدمی ہوتا تو ابوسفیان کو شعب ابی طالب کا واقعہ ضرور یاد دلاتا۔ بعد میں بے شک غلہ بھینے کی اجازت بھی دے دیتا۔ لیکن حضورؐ سرور کونین کے قربان جائیں کہ اس قصے کا اشارہ بھی ذکر نہیں کیا اور ابوسفیان پر کسی قسم کا احسان جملے بغیر ثامنہ کو پابندی ختم کرنے کا حکم دے دیا۔

(بقیہ حاشیہ)

رسول خداؐ نے قریش کو حق کی دعوت دی تو وہ دشمنی میں باور لے ہو گئے۔ اور تکلیفوں کے علاوہ ایک حکم یہ بھی کیا کہ حضورؐ کے خاندان کو مکہ سے نکال دیا۔ چنانچہ سب شہرے یا ہر اس وادی میں پناہ لی۔ تین سالہ طویل یہ دور انتہائی مصائب کا زمانہ تھا حضورؐ کے چچا ابوطالب بھی ہمراہ تھے۔ چنانچہ انہیں کے نام پر اُس وادی کو شعب ابوطالب کہا جاتا ہے۔

۱۔ ثامنہ کا قبول اسلام۔ ثامنہ کے ایمان لانے کا قصہ بھی نہایت دلچسپ ہے۔ طاقت اور دولت کے نشے میں چر۔ ثامنہ کو حق کی دعوت دی گئی تو اس کا ردِ عمل بہت سخت تھا۔ نہ صرف یہ کہ دعوت رد کر دی بلکہ اللہ مسلمانوں کا دشمن بن گیا۔ علاقہ میں بااثر تھا۔ چنانچہ ہمسایہ قبائل کو بھی ان کے خلاف اکٹھے لگائے۔ حضورؐ نے اسے راہِ راست پر لانے کی بہت کوشش کی لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ آخر کار مسلمانوں کا ایک دستہ اس کی گرفتاری کے لئے مقرر کیا۔ ثامنہ پکڑا گیا اور مسجد نبویؐ میں لاکر ایک ستون سے باندھ دیا گیا۔ آپؐ کو خبر ہوئی تو تشریف لائے اور ثامنہ سے پوچھا کہ اب بتاؤ تمہارے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔ وہ بولا کہ میں تو قاتل ہوں۔ بے شمار انسانوں کے خون سے ہاتھ رنگے ہیں۔ اگر آپ مجھے قتل کرادیں گے تو محض ایک خونی مارا جائے گا۔ لیکن اگر احسان کریں اور رہا کر دیں تو عمر بھر شکر گزار رہوں گا۔ اور ہاں اگر نذیہ لیتا چاہتے ہو تو بڑی سے بڑی رقم دینے کے لئے تیار ہوں۔

حضورؐ نے ہر باب سن کر خاموش رہے۔ گھر تشریف لے گئے۔ اگلے روز مسجد میں آئے تو ثامنہ سے پھر یہی سوال کیا۔ اس کا جواب بھی پہلے دانا ہی تھا۔ تیسرے روز بھی یہی سوال و جواب ہوئے تو حضورؐ رحمتِ دو عالمؐ نے صحابہؓ کو حکم دیا کہ ثامنہ کو آزاد کر دیں۔ یہ سن کر بھی حیران ہوئے۔ کہ اس قدر ہوشیار اور طاقت ور آدمی بڑی مشکل سے تابہیں آیا تھا اور حضورؐ نے ایسے ہی رہا کر دیا۔ خیر چکے ہو رہے۔

(باقی اگلے صفحہ پر)

4 فتح مکہ اور سیلابِ رحمت

جنابِ رحمۃ اللعالمین کی شانِ رحمت کا بیان انسانی بس سے باہر ہے۔ یہ وہ موضوع ہے جس کی ابتداء تو ہے، انتہا کوئی نہیں، اسے کسی بھی زاویے اور کسی بھی پہلو سے دیکھیں، عقل ذنگ رہ جاتی ہے۔ لیکن جناب رسالتاب کی رحمت اور شفقت کا جو منظر فتح مکہ کے موقع پر دیکھنے میں آیا اُس کی مثال نہیں۔

لا مکہ آپ کا جدی پشتی شہر، جہاں آپ پیدا ہوئے، پلے، بڑھے، جہاں کے ذرے ذرے میں آپ کی خوشبو رچی بسی تھی، جہاں آپ نبوت سے سرفراز ہوئے تھے۔

مگر آپ پیغامِ حق لے کر اٹھے تو سبھی دشمن ہو گئے، وہ کون سا ظلم تھا جو آپ اور آپ کے ساتھیوں پر نہ ڈھایا گیا۔ اور بالآخر نبوت یہاں تک پہنچی کہ آپ کو

(بقیہ حاشیہ)

ادھر ثمامہ مسجد سے نکلا تو دل کی دنیا بدل چکی تھی۔ حضور کے اُمتوں یوں رہائی پر سخت حیران تھا۔ بہر حال ایک درخت کی آڑ میں جا کر غل کیا۔ اور دوبارہ حاضر خدمت ہو گیا۔

حضور نے پوچھا: "تو اب کیسے آئے ہو؟" عرض کی یا رسول اللہ! ابھی تعدادی دیر پہلے تک میں آپ کو دنیا بھر میں اپنا سب سے بڑا دشمن سمجھتا تھا لیکن اب آپ میرے سب سے بڑے محبوب اور محسن ہیں۔ میں آپ کے دین کو سب سے بڑا سمجھتا تھا لیکن اب وہی دین اسلام مجھے دنیا بھر میں سب سے زیادہ عزیز ہے۔ میں آپ کے شہر سے بے انتہا نفرت کرتا تھا مگر اب وہی شہر انتہائی پسندیدہ ہے۔ یہ کہا اور کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔

غزیرہ! غور کرو یہ عظیم انقلاب کیسے برپا ہو گیا! دل و دماغ کی کیفیت کیسے بدل گئی، ثمامہ صیبا رکش اور باغی سردار مطیع و فرمانبردار کیونکر ہو گیا۔ یہ سب کچھ طاقت کے بل بوتے پر تو نہیں ہوا تھا۔ مسلمانوں کی تلوار نے تو اسے رام نہیں کیا تھا، یہ سب رحمتِ للعالمین کی نظرِ کرم کا نتیجہ تھا، جو اپنے خواہنے غزروں اور دشمنوں کے لئے ہی رحمت ہی رحمت تھی۔

اللہ کے حکم پر مدینہ کی طرف ہجرت کرنا پڑی۔

جب ٹھیک آٹھ برس بعد آپ اپنی طاقت کے بل بوتے پر ایک فاتح کی حیثیت سے شہر میں داخل ہوئے تو قریش مکہ بے حد خوفزدہ تھے کہ کہیں حضورؐ انہیں ان کی کرتوتوں کی سزا نہ دیں۔ لیکن سرکارِ دو جہانؐ نے سبھی کو اپنی رحمت کے دامن میں سمیٹ لیا اور کسی کو کچھ نہ کہا۔

ایوم قتل نہیں، یوم رحمت :- شہر میں داخل ہونے سے قبل حضورؐ نے لشکر کو کئی دستوں میں بانٹ دیا تھا اور ہر دستہ کسی جہا جہا یا انصارِ سالار کی کمان میں تھا۔ اس قدر بڑی کامیابی پر کچھ لوگ جذباتی بھی ہو رہے تھے۔ انہیں میں ایک انصاری سردار سعد بن عبادہ بھی تھے۔ مکہ میں داخل ہوتے ہی ابوسفیانؓ پر نظر پڑی تو جوش سے پکارا۔

”ابوسفیان! آج قتل اور خونریزی کا دن ہے۔ آج کے دن خدا قریش کو ذلیل کرے گا۔“

یہ سن کر ابوسفیانؓ کے ہوش اڑ گئے۔ بھاگا بھاگا حضورؐ کی خدمت میں آیا اور عرض کی کہ یا رسول اللہ! کیا آپؐ نے اپنی ہی قوم کے قتل و غارت کا حکم دے دیا ہے۔ سرکارِ دو جہانؐ نے فرمایا ہرگز نہیں۔ سعد غلط کہہ رہے ہیں۔ یاد رکھو، آج کا دن تو لطف و کرم اور رحمت کا دن ہے۔

صرف یہی نہیں بلکہ نبی رحمتؐ نے سعدؓ کو جذباتی ہونے کی سزا بھی دی۔

وہ یہ کہ اُن کی جگہ اُن کے بیٹے کو دستہ کا کمانڈر مقرر کر دیا۔

ابوسفیان کا گھردارالامان :- ابوسفیان نے مسلمانوں پر بہت ظلم

ڈھائے تھے۔ مدینہ میں بھی انہیں چین سے نہ بیٹھنے دیا تھا۔ بدر کی شکست کے موقع پر اس نے قسم کھائی تھی کہ جب تک انتقام نہیں لوں گا، چین سے

نہیں بیٹھوں گا۔ مکہ فتح ہوا تو سب کا خیال تھا کہ اُسے مزا ضرور ملے گی۔

لیکن رسول اللہؐ نے سب سے پہلے امان ہی اُسے دی اور عزت افزائی کرتے

ہوئے فرمایا کہ جو ابوسفیان کے گھر میں پناہ لے لے گا، اُسے کچھ نہیں کہا جائے گا۔

عکرمہ کی معافی :- ابو جہل کے بیٹے عکرمہ کو مسلمانوں کی فتح کا بے حد دکھ تھا۔

مگر بس نہیں چل رہا تھا۔ ادھر ادھر سے پندرہ بیس ساتھی جمع کر لئے اور اسلامی

لشکر کے ایک دستے پر حملہ کر دیا۔ مبعلا مقابلہ کیا کرتا، شکست کھا کر فرار

ہو گیا۔ جنگلوں اور صحراؤں میں مارا مارا پھرتا رہا۔ جب کہیں امان نہ ملی تو وہ

رسالت کی طرف رجوع کیا اور جناب رحمۃ للعالمینؐ نے یہ کمال شفقت نہ صرف

معاف کر دیا، بلکہ مالی امداد بھی فراہم فرمائی۔

صفوان کی معافی :- صفوان بن امیہ قریش کے سرداروں میں سے تھا۔

رسول اللہؐ کی ذات مبارک سے اس کی دشمنی اس حد تک پہنچی ہوئی تھی کہ ایک شخص

عمیر بن وہب کو انعام کا لالچ دے کر آپؐ کے قتل پر مامور کیا تھا۔ غیر محبوبِ خدا

کا بال بیکا کرنے کی جرأت کیسے ہو سکتی تھی۔ عمیر پکڑا گیا اور اسلام لے آیا۔

مگر فتح ہوا تو صفوان مارے خوف کے جدہ کی طرف بھاگ گیا۔ دراصل وہ
سمندر کے راستے میں جانا چاہتا تھا سفر کا مناسب انتظام نہ ہو سکا تو خودکشی کا ارادہ کر لیا
عمیر بن وہب جو اس وقت اسلام قبول کر کے صحابی بن چکے تھے، کو پتہ چلا تو مکرار
دو جہاں کے حضور صفوان کی سفارش کی۔ آپ نے فرمایا وہ تو یونہی جان بکان
کر رہا ہے۔ میں تو اس سے کوئی عداوت نہیں۔ اوروں کی طرح اس کے بھی پچھلے
گناہ بخشے جا چکے ہیں۔ عمیر امان کا یہ پیغام لے کر صفوان کے پاس جدہ گئے
مگر اس کے دل کا چور دُور نہ ہوا۔ کہنے لگا۔ "عمیر! تمہارا کیا اعتبار۔
ہو سکتا ہے کہ یہ سب کچھ اپنی طرف سے ہی کہہ رہے ہو۔"

عمیر نے بہت سمجھایا کہ صفوان: تم نے حضور سرور کائنات کی رحمت
و شفقت کو دیکھا ہی نہیں ہے۔ آذناؤ تو سہی۔ مگر اُسے تو اپنی کڑوتیں
ایک ایک کمرے یاد آرہی تھیں۔ نہ مانا اور عمیر کو معافی کے طور پر حضور کی
کوئی نشانی نہ دے سکا۔

اس پر رحمتِ دو عالم نے اپنا عمامہ مبارک نشانی کے طور پر روانہ فرمایا
اور عمیر، صفوان کو اپنے ہمراہ دربارِ رسالت میں لے آئے۔ صفوان، حضور کی
محبت و شفقت سے بے حد متاثر ہوئے اور اسلام قبول کر لیا۔ سرکارِ
دو جہاں نے اس کی خطائیں ہی معاف نہیں فرمائیں بلکہ ہدیہ کے طور پر تین سو

اونٹ بھی مرحمت فرما دیئے۔

وحشی کی معافی :- وحشی نامی غلام نے غزوہ اُحد میں حضور کے پیارے

چچا حضرت حمزہؓ کو شہید کیا تھا۔ مکہ فتح ہوا تو وحشی پریشان ہو گیا۔ کہ اب اس سے بدلہ لیا جائے گا۔ جان کے خوف سے بھاگ کر طائف چلا گیا۔

اسلام طائف میں پہنچا اور وہاں کے سرداروں نے اطاعت قبول کر لی، تو وحشی کا کوئی ٹھکانا نہ رہا، طائف کے لوگ دوبارہ رسالت میں حاضری کے لئے

آئے تو ہمراہ چلا آیا۔ حضور سرور کونینؐ نے دیکھا تو پہچان لیا بمشفق چچا

کی شکل آنکھوں کے سامنے آگئی۔ خون نے جوش بھی مارا۔ لیکن وحشی کو کچھ

نہ کہا اور معاف فرما دیا۔ سبحان اللہ! عفو و درگزر کا ایسا مظاہرہ کسی نے کہاں

دیکھا ہوگا۔ چاہتے تو وحشی کی تگابوٹی کروا دیتے اور دین اسلام میں قصاص

موجود بھی ہے۔ لیکن حضور سرور کونینؐ کی رحمت کا تقاضہ تو کچھ اور ہی تھا۔

ہندہ کی معافی :- اور آگے چلیں، ابوسفیان کی بیوی ہندہ سامنے آتی ہے،

یہ وہی خاتون ہے جس نے حضرت حمزہؓ کی نعش کی بے حرمتی کی تھی۔

سینہ چاک کر کے کلیجہ نکال لیا تھا اور پھر اسے دانتوں سے کاٹا یہی نہیں

اس نے اُحد کے اور شہیدوں کے ناک اور کان کاٹ کاٹ کر ہار بھی بنایا

تھا، جسے بڑے فخر سے پہنا کرتی تھی۔

آخر ظلم کی رات بیت گئی، مکہ فتح ہوا تو اُسے بھی جان کے لئے پڑ گئے، کہ اب کیا ہوگا۔ کس مُنہ سے حضورؐ کے سامنے جاؤں گی۔ ایک ترکیب سوچی، کہ جیسے بدل کر دربار رسالت میں حاضر ہو، اور اسلام قبول کر لے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا۔ مگر حضورؐ کے سامنے پوشیدہ کیونکر رہ سکتی تھیں، آپؐ نے پہلی ہی نظر میں پہچان لیا، مگر ماضی کی کسی بات کا حوالہ دیئے بغیر بخش دیا۔ اس حسن سلوک سے ہندہ بے حد متاثر ہوئیں۔ بے اختیار بول اٹھیں، یا رسول اللہ! آج تک تو مجھے آپؐ کے گھرانے سے سنت ترین نفرت تھی۔ لیکن خدا کی قسم آج کے بعد آپؐ کے گھرانے سے مجھے سب سے زیادہ محبت اور عقیدت ہو گئی ہے۔

آخر ہوتی بھی کیوں نہ۔ رحمت کے سیلاب میں بہہ جانے کے بعد نفرت کا کیا کام؟

ہتبار کی معافی۔ اور آگے چلیں تو حضورؐ سرور کائنات کا بیٹے کے قاتل سے سامنا ہوتا ہے۔ ہتبار بن اسود کفار مکہ کا سرغنہ تھا۔ حضورؐ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے جا چکے تھے، مگر بیٹی جناب زینبؓ ابھی مکہ ہی میں تھیں۔ ایک رات موقعہ دیکھ کر روانہ ہوئیں کہ چپکے سے نکل جائیں! اونٹ ابھی بستی سے نکلا ہی تھا کہ کفار کو خبر ہو گئی، راستہ روک لیا۔ اور تو سخت سست

ہی کہہ رہے تھے مگر ہتیار نے آگے بڑھ کر ٹانگ کھینچی۔ حضرت زینبؓ اونٹ سے نیچے گر گئیں، سخت چوٹ آئی اور اسی تکلیف سے کچھ عرصہ بعد انتقال کر گئیں۔ مکہ فتح ہوا تو ہتیار کی پریشانی دیکھنے کے لائق تھی، جان بچانے کے لئے مارا مارا پھر رہا تھا۔ آخر کار ایران کی جانب روانہ ہوا، کہ بقیہ عمر وہاں بسر کر دیگا۔ مگر ابھی تھوڑی دور ہی گیا تھا کہ دل کی کیفیت بدل گئی سیدھا حضورؐ کے آستانے پر حاضر ہوا۔ پچھلے گناہوں کی معافی مانگی اور دائرہ اسلام میں داخل ہو گیا۔

دوستو! اولاد بھی کو عزیز ہوتی ہے، اُسے کانٹا بھی چبھ جائے تو ماں باپ پریشان ہو جاتے ہیں۔ بچوں کی چھوٹی موٹی لڑائی میں بڑے قتل ہو جاتے ہیں۔ لیکن حضورؐ رسالتؐ کے دریائے رحمت کی جولانی ملاحظہ ہو کہ اپنی سخت جگر کے قاتل کو کس قدر فراخ دلی سے بخش دیا۔

فضیلہ کی معافی:- فتح مکہ کے موقعہ کا ہی ایک اور واقعہ ہے کہ ایک شخص فضیلہ بن عمرؓ پر حملہ کرنے کا سوچا۔ بظاہر یہ شخص اسلام لے آیا تھا، لیکن اسلام کی روشنی سے دل ابھی پوری طرح متور نہیں ہوا تھا۔ نبی اکرمؐ کچھ صحابہ کے ہمراہ طوافِ کعبہ فرما رہے تھے کہ فضیلہ بھی شامل ہو گیا۔ تلوار پکڑوں کے نیچے چھپا رکھی تھی۔ دل میں سوچا کہ محمدؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ختم

کرنے کا یہ اچھا موقع ہے۔ اُدھر اُس کے دل میں یہ خیال گزرا۔ اُدھر اللہ تبارک نے اپنے محبوب کو بھی اطلاع کر دی۔ چنانچہ طواف کرتے ہوئے وہ جناب رسالت ﷺ کے پاس سے گذرا، تو آپ نے دریافت فرمایا۔
 ”فضیلہ یہ تم ہو؟“

عرض کی یا رسول اللہ! میں ہی ہوں،

فرمایا ”کیا سوچ رہے ہو؟“

کہنے لگا ”یا رسول اللہ! کچھ بھی تو نہیں۔“

حضور رحمتِ دو عالمؐ مسکرائے، فضیلہ کے دھڑکتے ہوئے دل پر دستِ مبارک رکھ کر فرمایا۔ فضیلہ! خدا سے بھائی مانگو، آئندہ کبھی ایسا خیال دل میں نہ لانا۔ سبحان اللہ! سرزنش کا یہ انداز صرف اور صرف رسولِ رحمتؐ کا ہی ہو سکتا ہے۔

کلیدِ کعبہ :- اعلانِ نبوتؐ کو ابھی تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا۔ کہ حضورؐ نے ایک روز خانہ کعبہ کے اندر نماز پڑھنے کا ارادہ کیا۔ حرمِ پاک میں تشریف لے گئے تو دیکھا کہ کعبہ کے دروازے پر قالہ پڑا ہوا ہے۔ کلیدِ بردار عثمان بن طلحہ کو ڈھونڈا تو قریب ہی مل گیا۔ حضورؐ نے خواہش کا اظہار کیا اور کعبہ کا قالہ کھولنے کی درخواست کی۔ عثمان بھی اسلام دشمنی میں دوسرے لوگوں سے کم تھا۔ چنانچہ نہایت سختی سے انکار کر دیا۔

حضور رسالتاً بہت اُزدہ ہوئے اور عثمان کو مخاطب کر کے فرمایا۔
عثمان ! وہ دن دور نہیں جب کعبہ کی کبھی ہمارے قبضہ میں ہوگی۔ اور ہم
جسے چاہیں گے، دیں گے۔

کہ فتح ہوا تو محبوب خدا کی یہ پیشین گوئی بھی پوری ہو گئی عثمان بن طلحہ اور
خانہ کعبہ کے دوسرے خدمتگار جناب رسالتاً کے حضور پیش تھے حضرت علی
کرم اللہ وجہہ نے آکے بڑھ کر کعبہ کی کبھی اٹھالی اور عرض کی۔

یا رسول اللہ! کعبہ کی کبھی ہمیں عطا کر دیں تاکہ حاجیوں کو پانی پلانے
کے ساتھ ساتھ کعبہ کی حفاظت کا اعزاز بھی ہمیں حاصل ہو جائے،
آپ نے فرمایا: نہیں یہ اعزاز پہلے کی طرح عثمان بن طلحہ کے پاس ہی رہے گا۔

جناب رحمۃ اللعالمین کی شان عفو و رحمت کے قربان جائیں کہ عثمان بن طلحہ
کی گستاخی کی پرواہ کئے بغیر انہیں قیامت تک کے لئے کعبہ کا کلید بردار مقرر

فرما دیا اور یہ خدمت آج بھی انہیں کی اولاد سرانجام دے رہی ہے۔ عفو و

رحمت کا یہ انداز صرف حضور سرور کونین کے ہاں ہی نظر آ سکتا ہے۔

الغرض حضور سرکارِ دو جہان کا دریا نئے رحمت بے کنار ہے۔ ایک اُدھ

کتاب میں اُسے سمولینا نامکن ہے۔ بہر حال دشمنوں کے لئے آپ کے

حسن سلوک کے اس واقعہ کے ساتھ ہی اس بحث کو ختم کیا جاتا ہے اور

آئندہ ابواب میں حضور پرنور کی رحمت کے دوسرے پہلوؤں اور گوشوں

سے پردہ اٹھانے کی کوشش کی جائے گی۔

رسولِ رحمت



خواتین

کے





رسول رحمت خواتین کے لئے

حضرت رسول اکرمؐ کی بعثت سے پہلے دنیا بھر میں عورتوں کو نہایت حقیر خیال کیا جاتا تھا۔ ان کی حیثیت مال مولیٰ سے زیادہ نہ تھی۔ عورتوں کی باقاعدہ خرید و فروخت ہوتی تھی۔ بعض علاقوں اور قوموں میں تو انہیں جینے کا حق بھی نہیں دیا جاتا تھا۔ حضور نبی اکرمؐ نے معاشرہ میں عورت کے مقام کو بلند کیا۔ اُسے مرد کے برابر حقوق دیئے۔ بلکہ بعض معاملات میں تو وہ مرد سے بھی زیادہ عزت و احترام کی مستحق ٹھہری۔

اس باب میں خواتین کے بارے میں حضور سرور کائناتؐ کی رحمت و شفقت کا ذکر کیا جائے گا۔ کہ ذات کی گہرائیوں میں گہری ہوئی اس مخلوق کو کس طرح عزت و آبرو سے نوازا گیا۔

بعثت سے پہلے عورت کی حالت

ہندوستان: حضور رسالہء آباءؐ کی بعثت کے وقت پوری دنیا کی طرح ہندوستان میں بھی جہالت کا اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ عورت معاشرے کی سب سے گھٹیا مخلوق سمجھی جاتی تھی۔ ایک عورت کے کئی کئی شوہر ہوتے تھے۔

شوہر کی موت کی صورت میں بیوہ کو دوسری شادی کی اجازت نہیں تھی ،

بلکہ اُسے شوہر کی نعش کے ساتھ جل جانے پر مجبور کیا جاتا ۔ اور اسے ریم ستی

کہتے تھے ۔ اگر کوئی عورت ستی ہونا پسند نہ کرتی تو اُسے بستی سے باہر الگ تھک

اور بڑی تکلیف دہ زندگی بسر کرنا پڑتی تھی ۔ عزیز رشتے دار اور برادری کے

لوگ ایسی عورت سے کسی قسم کا تعلق رکھنا معیوب خیال کرتے تھے ۔ لڑائی

میں شکست ہونے کی صورت میں مرد اپنی عورتوں کو اپنے ہاتھوں قتل

کر دیتے تھے ، تاکہ وہ دشمن کے قبضے میں جا کر ذلیل نہ ہوں ۔

راجے ، دھاراجے اور امیر لوگ بے تحاشا شادیاں کرتے اور بعض اوقات تو

ان کی بیویوں کی تعداد ، سو ، پچاس تک پہنچ جاتی تھی ۔ پھر جب ادب سے چاہتے ،

گھر سے نکال باہر کرتے ۔

ہندو سوسائٹی میں عورت بکاؤ مال تھی ۔ اس کے باپ بیٹے اور شوہر کو

حق پہنچتا تھا کہ جب اور جس کے ہاتھ چاہیں بیچ دیں ۔ بعض ہوادوں کے

موقعہ پر تو عورتوں کی منڈیاں لگیتیں ۔ اور باقاعدہ خرید و فروخت ہوتی تھی ۔

اچھوت عورتوں کا حال اور بھی پتلا تھا ۔ اعلیٰ ذات کے ہندو ان کے

ساتھ جیسا سلوک چاہتے ، کر سکتے تھے ۔ اور ان کی کوئی داد فریاد نہیں تھی ۔ وہ

ان کے گھروں میں ادنیٰ خدمات سرانجام دیتیں ۔ لیکن ہندوؤں کی مقدس کتاب

”وید“ کو چھونے کی اجازت نہ تھی ، بلکہ اگر کبھی ان کے کانوں میں وید کا کوئی

لفظ پڑ جاتا تو اس جرم کی پاداش میں کانوں میں پگھلا ہوا سیسہ ڈال کر انہیں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بہرا کر دیا جاتا تھا۔

(اس کے علاوہ ہندوستان میں لڑکیوں کو قتل کرنے کا رواج بھی تھا۔ ہندو راجپوت تو اس رجم بد میں سب سے آگے تھے۔ ان کے ہاں تو شاید ہی کوئی لڑکی زندہ بچتی تھی۔ اس کا سبب ان کا حد سے بڑھا ہوا نسلی افتخار تھا اور وہ اس بات میں بڑی ہتک محسوس کرتے تھے کہ ان کی بیٹی جوان ہو کر کسی کی بیوی بنے۔ پھر معصوم بچیوں کو کئی مذہبی رسومات کی بھینٹ بھی چڑھایا جاتا تھا۔ بتوں اور دیوتاؤں کو خوش کرنے کے لئے لڑکیوں کی قربانی دی جاتی تھی۔ بعض نوجوان لڑکیوں کو "دیوی داسی" بنا دیا جاتا۔ وہ ساری عمر مندروں میں آنے جانے والوں کی خدمت کرتیں۔ اور شادی نہیں کر سکتی تھیں۔

غرض حضور سرور کونینؐ کی بعثت کے وقت ہندوستان میں عورت کی حالت بے حد افسوسناک تھی)

رُوم: (آفتاب رسالتؐ طلوع ہوا تو رومی تہذیب اپنے عروج پر تھی۔ اہل روم اپنے آپ کو بے حد متہن اور مہذب خیال کرتے اور عربوں سمیت دوسری قوموں کو جاہل، گنوار اور اُجڑ کہتے تھے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ رومیوں نے معاشرہ کی اصلاح کے لئے کئی مفید قانون بنائے اور شہریوں کو حقوق اور فرائض کا تصور دیا۔ لیکن جہاں تک عورت کا تعلق ہے وہ بچاری

اُن کے ہاں بھی ذلیل اور خوار رہی۔ اُس کی بہتری اور بھلائی کے لئے کچھ نہ کیا گیا۔ عورت سے متعلق دیگر جرائم کے علاوہ بچیوں کے قتل کا رواج موجود تھا۔ رواج ہی نہیں بلکہ اس مکروہ فعل کی باقاعدہ حوصلہ افزائی کی جاتی تھی۔ اور قانون کی نظر میں بھی اولاد کے قاتل باپ کو قصور وار اور مجرم خیال نہیں کیا جاتا تھا۔

یہودی : (یہودی بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کو بھلا چکے تھے۔ عورت کے بارے میں ان کی اخلاقی حالت بے حد پست تھی۔ آجکل کی طرح اُس زمانے میں بھی اکثر یہودی کاروبار کرتے تھے۔ بازار میں زیادہ تر دکانیں انہیں کی ہوتیں۔ دکانوں کے عطرؤں پر بیٹھ کر راہ چلتی عورتوں پر آوازے کُشنا، اُن کا معمول تھا۔ یہی نہیں اکیلی، دو کیلی عورت دیکھتے تو دست درازی پر اتر آتے۔ اور بیچاری کو عزت بچانا مشکل ہو جاتا۔) یہودی سود کا کاروبار بھی کرتے تھے۔ سود کی رقم تیزی سے بڑھتی اور بیچارہ مقروض ادائیگی سے لاپار ہو جاتا، تو معاوضے میں اس کی بیوی یا بیٹی کو پکڑ کر لے جاتے تھے۔

اس قسم کا ایک واقعہ ہمیں احادیث کی کتب میں بھی ملتا ہے۔ روایت ہے کہ مدینہ میں ایک یہودی رہتا تھا، کعب بن اشرف، سودی کاروبار کرتا تھا۔ نہایت لالچی اور گھٹیا شخص تھا، ضرورتمندوں بہت ذلیل کرتا تھا۔ رقم کی

منات کے سلسلے میں عجیب و غریب شرائط پیش کرتا اور غریب لوگوں کی مجبوریوں کا ناجائز فائدہ اٹھاتا تھا۔

ایک روز ایک صحابی محمد بن مسلمہؓ انصاری ماکب کے پاس تشریف لے گئے اور کچھ غلہ قرض پر لینا چاہا۔ یہودی بڑی خوشدلی سے بولا کہ غلہ ادھار دینے میں تو مجھے کوئی اعتراض نہیں مگر یہ بتاؤ کہ قرض کے بدلے میں کیا چیز گروی رکھو گے۔ مسلمہؓ نے کہا کہ جو وہ مناسب سمجھے رکھ لے۔ یہودی بولا تو پھر اپنی بیوی گروی رکھ جاؤ۔ صحابی رسولؐ کے لئے یہ بخیر بے حد حیران کن تھی۔ کہنے لگے خیر یہ تو قابل قبول نہیں۔ البتہ رقم کی ادائیگی تک اپنے ہتھیار رکھنے کے لئے تیار ہوں۔

عرب :- عربوں میں بھی عورتوں کی حالت نہایت خراب تھی۔ انہیں مردوں کی ملکیت سمجھا جاتا تھا۔ باپ کی وفات پر اس کی بیوی پر بیٹے کا حق اور قبضہ ہوتا، اور حقیقی ماں کے علاوہ باقی سمجھی اس کی جائز بیویاں سمجھی جاتی تھیں۔ نکاح کے سلسلے میں کسی قسم کی کوئی پابندی نہ تھی۔ عرب سردار تو ایک وقت میں آٹھ آٹھ اور دس دس بیویاں رکھتے تھے۔ جب اور پستے جی چاہتا گھر سے نکال باہر کرتے۔ علیحدگی کے باوجود عورت سابقہ شوہر کے کنٹرول میں رہتی اور اس کی اجازت کے بغیر کسی دوسرے آدمی سے

شادی نہیں کر سکتی تھی، نکاح کے وقت ہر تو مقرر کرتے، لیکن اس رقم کا دلہن سے کوئی تعلق نہیں ہوتا تھا۔ بلکہ یہ اس کے باپ کو ملتی۔ گویا کہ ہر کے عوض عورت فروخت کر دی جاتی تھی، بیوہ ہونے کی صورت میں اُسے گھر سے الگ تھک کسی کو ٹھہری میں ڈال دیا جاتا۔ پہننے کو پھٹے پرانے کپڑے اور کھانے کے لئے دوسروں کا بچا کھچا ملتا۔ گھر والے ایک سال تک اس کا مکمل بایکاٹ کئے رکھتے۔ سال بعد سوگ تو ختم ہو جاتا تھا۔ لیکن بیچاری عمر بھرا چھا کھانے، پہننے کو ترستی رہتی اور دوسری شادی کا تو سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ غرض زندگی کے باقی دن یوں ہی بسک بسک کر گزار دیتی۔

عورت وراثت سے بھی محروم تھی۔ پوری جائیداد پر مرد قبضہ کر لیتے تھے۔ عام طور پر کہا جاتا تھا کہ وراثت صرف اس کا حق ہے، جو تلوار پکڑ سکے۔ اس کلیے کے تحت عورتوں کے ساتھ ساتھ چھوٹے بچوں کو بھی وراثت سے کچھ نہیں ملتا تھا۔

لڑائیوں میں مفتوحہ قبائل کی عورتیں فاتح کے قبضے میں آ جاتی تھیں، جو انہیں نکاح کئے بغیر گھروں میں ڈال لیتے اور ہر قسم کی خدمات لیتے تھے۔ صلح ہونے کی صورت میں عورتیں اگر واپس کر بھی دی جاتیں، مگر ان کی عزت اور آبرو برباد ہو چکی ہوتی تھی،

عورت کے ساتھ اس قسم کے مظالم پر عرب فخر کرتے۔ اپنی زیادتیوں اور بے حیائیوں کے قصے سرعام سناتے پھرتے۔ اور شاعر قسم کے لوگ تو باقاعدہ نظمیں بنا لیتے اور کھلی مجلسوں اور میلوں کھیلوں میں مزے لے لے کر پڑھتے تھے۔

معمولی معمولی غلطیوں پر عورتوں کو ہنایت بے رحمی سے پیٹا جاتا۔ ان کے جسم کے اجزاء کاٹ لئے جاتے۔ سزا کے طور پر چوٹی مونڈنے کا رواج بھی تھا۔ عرب امراء اور سرداروں کے سزا دینے کے طریقے تو لہرزا دینے والے ہوتے، اور ان کے تصور سے ہی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ عورت کی جان لینے کے نئے نئے طریقے وضع کرتے۔ بعض دفعہ اُسے گھوڑے کے دم سے باندھ کر گھوڑے کو سرپٹ دوڑا دیتے اور یوں بیچاری کا جسم ٹکڑے ٹکڑے ہو جاتا۔ ایسی سزاؤں کا باقاعدہ جشن منایا جاتا۔ اور قبیلے میں ہتوار کا سماں ہوتا تھا۔

دختر کشی :- دنیا کی بعض دوسری اقوام کی طرح عربوں میں بھی دختر کشی کا رواج تھا۔ یعنی اپنی بیٹیوں کو بچپن میں ہی قتل کر دیتے تھے۔ بے رحمی کی انتہا ملاحظہ ہو کہ یہ کام اپنی مرضی سے اور ہنسی خوشی انجام دیتے تھے۔ مردوں کے علاوہ عورتیں بھی اس جرم میں برابر کی شریک تھیں۔ اور بیٹیوں کو اپنے ہاتھوں قتل گاہ کی طرف روانہ کرتی تھیں۔ اس رسمِ بد کی

دعوات پر غور کریں تو تین باتیں سامنے آتی ہیں۔

○ — پہلی بات تو یہ کہ بھوک کے ڈر سے بچوں کو ہلاک کر دیا جاتا تھا کہ ان کو

کھلائیں پلائیں گے کہاں سے۔ مفت کی ذمہ داری ہے۔ اور پھر جوان ہو کر

یہ ہمارے کس کام آئیں گی۔ جبکہ بیٹے بڑے ہو کر ہمارا سہارا بنیں گے

○ — دوسری بات یہ کہ عرب بتوں کو پوجتے تھے اور ان کی ناراضگی سے

بچنے کے لئے بچوں کی قربانی دیا کرتے تھے۔ پھر منیتیں ماننے کا رواج بھی

تھا کہ اگر میرا فلاں کام پورا ہو گیا تو اپنے بچے کی قربانی دوں گا۔ یہاں

بھی بیچاری لڑکیاں ہی قربانی کا بکرا بنتیں۔

○ — تیسری بات یہ کہ نسلی افتخار کے سبب عرب اپنی بیٹیوں کو دوسروں کے

نکاح میں دینا، توہین خیال کرتے تھے۔ اور انہیں یہ سخت ناگوار تھا کہ کوئی

شخص ان کا داماد کہلائے۔ اس عار سے بچنے کے لئے بیٹیوں کو پیدا ہوتے ہی

ٹھکانے لگا دیتے تھے۔ گھر میں بیٹی پیدا ہوتی تو باپ کو سخت صدمہ ہوتا

اور مارے شرم کے گھر سے باہر نہیں نکلتا تھا کہ لوگ بیٹی کا باپ ہونے کا

طمعہ دیں گے۔ چنانچہ اس معصوم جان کو ٹھکانے لگانے کے بعد دوست احباب

سے ملتا تو بڑے فخر سے اس ظلم کی تفصیلات بیان کرتا۔

بعض لوگوں کو تو اس قدر ڈیپریشن ہوتی کہ گھر چھوڑ کر چلے جاتے۔ عرب کے

ایک رئیس ابو حمزہ کا قہقہہ ہے کہ بیٹی کی پیدائش کی خبر سنتے ہی گھر سے چلا گیا۔ اور ہمسایوں کے ہاں ڈیرہ لگا لیا۔ بیمار بیوی اور بچوں کو دیکھ بھال کی سخت ضرورت ہونے کے باوجود اس نے گھر کا رخ نہ کیا،

بیوی شاعری سے دلچسپی رکھتی تھی۔ بچی روتی تھی تو عربی کے یہ شعر پڑھ کر لوریاں دیتی۔

ترجمہ: ابو حمزہ کو کیا ہو گیا ہے کہ گھر نہیں آتا اور ہمسائے کے ہاں مات بسر کرتا ہے۔ دُا اس لئے ناما من ہے کہ ہم بیٹے نہیں جنتے۔ خدا کی قسم یہ ہمارے اختیار میں نہیں ہے۔

یوں تو سارے عرب میں دختر کشی کا رواج تھا۔ لیکن قبیلہ بنو تمیم اس ظلم میں سب سے بڑھے ہوئے تھے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد اس قبیلہ کا ایک سردار قیس بن عامر منصور رسالتِ نبی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ زمانہ جاہلیت کی بُری رسموں کا ذکر چلا تو کہنے لگا۔ یا رسول اللہ! میں نے بہت ظلم کئے، اپنے ہاتھوں آٹھ، دس لڑکیوں کو زندہ دفن کر چکا ہوں۔ سخت نادم ہوں۔ مجھے بتائیے کہ کیا کروں کہ بخشش کا سامان ہو جائے۔ آپ نے فرمایا ہر لڑکی کے کفارے میں ایک غلام آزاد کرو۔ عرض کی یا رسول اللہ! میرے پاس اتنے غلام نہیں ہیں۔ البتہ اونٹ ہیں حضور سرورِ کونین نے فرمایا تو پھر ہر لڑکی کے کفارہ میں ایک اونٹ قربان کر دو۔

✓ طلوع آفتاب رسالت

(آفتاب رسالت طلوع ہوا تو عورت جیسی مظلوم اور بے یار و مددگار مخلوق کی

بھی سنی گئی۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ مقام و مرتبہ ملا کہ مرد کی برابری کرنے لگی بلکہ بعض معاملات میں تو مرد سے بھی زیادہ حقوق و مراعات کی مستحق ٹھہری،

دختر کشتی کا خاتمہ :- خالق و مالک نے اس ظالمانہ رسم کا خصوصی نوٹس

لیا اور اس سلسلے میں کئی آیات نازل ہوئیں۔ کہیں عربوں کی غیرت اور حمیت کو جھنجھوڑا تو کہیں دُبُّ الْعُلَیِّیْنَ نے اپنی رزاقی کا ذکر کر کے افلاس سے ڈرنے

والوں کا خاکہ اُڑایا۔

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے (گھر میں بیٹی پیدا ہوتی تو باپ کو سنت رنج

ہوتا وہ شرم کے مارے لوگوں کے سامنے نہیں جاتا تھا۔ مَنہ چھپاتا پھرتا کہ لوگ

کیا کہیں گے۔ عربوں کا ایک اور بھی عجیب عقیدہ تھا کہ فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں،

سورہ زخرف میں اسی عقیدے کی طرف اشارہ ہے کہ تمہارے ہاں بیٹی

پیدا ہو تو تمہیں شرم آتی ہے اور چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے۔ اور جب خدا

بیٹیوں کا باپ ہونے کی ہمت دگاتے ہو، تو کچھ خیال نہیں آتا۔

سورہ نحل میں ارشاد ہوا۔

وَإِذْ يُشْرِكُ أَحَدُهُمْ بِالْأُنثَىٰ ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ
 كَظِيمٌ ۖ يَتَوَارَىٰ مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوءِ مَا بُشِّرَبِهِ ۚ إِنَّهُ
 تَوَجَّهَ ۖ وَجِبَّ ۖ إِنَّ فِي سَعْيِهِ لَبِطٌ ۖ ذِي تَوَلَّىٰ ۖ وَهُوَ
 اس کا چہرہ سیاہ پڑ جاتا ہے۔ وہ غصہ کے گھونٹ پی کر رہ جاتا ہے اور پریشانی
 کے عالم میں لوگوں سے منہ چھپاتا پھرتا ہے (اور سوچتا ہے، کہ اس ذلت کو اپنے
 پاس ہی رہنے دے یا لے جا کر مٹی میں چھپا دے یعنی زندہ دفن کر دے) نمل 7۰
 بتوں اور دیوتاؤں کے نام پر اولاد کی قربانی کی مذمت کرتے ہوئے خدا نے
 بزرگ ۱۱ برترنے سورۃ النعام میں ارشاد فرمایا:

وَكَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ
 شُرَكَآؤُهُمْ لِيُرْدُوْهُمْ ۚ اِلَیْهِمْ

ترجمہ:- کہ جس طرح اپنے کھیتوں اور جانوروں میں مشرکوں نے دیوتاؤں کو
 حصے دار بنایا ہے اس طرح وہ ان (دیوتاؤں) کو خوش کرنے کے لئے اپنی اولاد کو
 بھی قتل کر دیتے ہیں۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے واضح کر دیا کہ ان کا یہ فعل بے فائدہ ہے اور اس
 گناہ کے مرتکب ہو کر وہ اپنی جانوں کو ہلاکت میں ڈال رہے ہیں۔ گویا کہ
 قرآن حکیم نے دیوی، دیوتاؤں اور بتوں کو خوش کرنے کے لئے اولاد کے قتل
 کی کئی ممانعت کر دی۔

غربت اور افلاس کے خوف سے اولاد کو قتل کرنے والوں کے بارے میں سورہ ہود میں ارشاد ہوا۔

وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا

ترجمہ :- زمین پر موجود تمام جانداروں کی روزی اللہ کے ذمے ہے۔ (ہود۔ ۱)

سورہ انعام میں فرمایا کہ مفلسی کے ڈر سے اپنے بچوں کو ہلاک نہ کرو کیونکہ انہیں ہی نہیں بلکہ تمہیں بھی (والدین کو) روزی اللہ ہی کی ذات دیتی ہے۔

آگے چلیں سورہ اسرار میں ارشاد ہوتا ہے

وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ خَشْيَةً إِمْلَاقٍ ۖ نَحْنُ نَرِزُقُهُمْ وَإِيَّاكُمْ

ان قَتَلَهُمْ كَانَ خِطَاً كَبِيراً (دھ۔ ۱۵)

ترجمہ :- اپنی اولاد کو غری اور مفلسی کے خوف سے قتل نہ کیا کرو۔ ہم ہی

ہیں جو انہیں اور تم، دونوں کو روزی دیتے ہیں۔ ان کا مار ڈالنا بلاشبہ بہت بڑا

گناہ ہے۔ (اسراءیل۔ ۴)

آخری کیل :- اولاد اور بالخصوص لڑکیوں کے بارے میں یکے بعد دیگرے

اس قسم کی آیات کے نزول سے اہل عرب لہذا اٹھے۔ لڑکیوں کو قتل کرنے کے

واقعات میں بے حد کمی آگئی۔ لیکن اس جرم کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے میں قرآن

کی ایک چھوٹی سی آیت کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔ ذرا بلاغت اور اثر انگیز

ملاحظہ ہو۔

میدانِ حشر میں ذاتِ حق کی عدالت قائم ہے۔ ہاتھوں میں اعمال نامے
تھامے بھی اپنی اپنی جگہ پر کھڑے ہیں۔ ہر کسی کے سامعہ انصاف ہو رہا
ہے۔ ہجوم پر عجیب خوف اور امید کی کیفیت طاری ہے۔ اتنے میں چند ننھی سی
پیاری پیاری بچیاں ایک طرف آکر کھڑی ہو جاتی ہیں۔ ان کے کپڑے خون آلودہ
ہیں اور قطرے زمین پر گر رہے ہیں۔ خدائے قہار کی نظر ان پر پڑتی ہے، تو
پوچھتا ہے۔

وَإِذَا الْمَوْءِدَةُ سُئِلَتْ بِأَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ

ترجمہ: یاد رکھو جب (قیامت کے روز) زندہ دفن ہونے والی لڑکی سے پوچھا
جائے گا کہ تو کس جرم میں ماری گئی۔ (کوثر - ۹)

اس آیت کا اترنا تھا کہ اہل عرب نے اس سفاکی سے مکمل طور پر توبہ کر لی۔
وہ قرآن حکیم کی اس قدر اثر انگیز بلاغت کی تاب نہ لائے۔

استثنائی مثالیں:- یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ اچھے اور بُرے لوگ

ہر زمانے میں اور ہر جگہ موجود ہوتے ہیں، دختر کشی کے عروج کے زمانے میں بھی
عرب میں اللہ کے ایسے نیک بندے موجود تھے جو قتل پر آمادہ والدین سے لڑکیاں خرید
لیتے اور ان کی پرورش کرنے کے بعد باعزت طریقے سے شادی وغیرہ کر دیتے تھے۔

اصعصہ نامی ایک عرب سردار نے اس کا یہ خیر میں بہت نام پیدا
کیا، کہا جاتا ہے کہ اس نے 360 لڑکیوں کو یوں خرید کر موت کے منہ سے

بچایا تھا۔ قبولِ اسلام کے بعد ایک روز حضور سرورِ کائناتؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھا کہ کیا اُسے اس نیکی کا کوئی ثواب ملے گا۔ حضورؐ نے تبسم فرمایا اور کہا یقیناً: اور یہ کیا کم ہے کہ خدا نے تمہیں قبولِ اسلام کی سعادت بخشی۔

اسی طرح صحابی رسولؐ زید بن عمرو نے بھی زمانہ جاہلیت میں بہت سی لڑکیوں کی جانیں بچائی تھیں۔ آپ انہیں ان کے والدین سے لے کر ہال لیتے اور جوان ہونے پر واپس کر دیتے یا شادی کر دیتے تھے۔

ایک دردناک داستان: قبولِ اسلام کے بعد لوگ حضورؐ کے پاس آتے تو دل کا بوجھ ہلکا کرنے کے لئے زمانہ کفر کے رقصے سُناتے۔ ایسا ہی ایک شخص آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ عرض کی یا رسول اللہؐ: زمانہ جاہلیت میں ہم اپنی لڑکیوں کو مار ڈالتے تھے۔ میری ایک بیٹی تھی۔ بے حد بھولی بھالی اور پیاری۔ مجھ سے بہت مانوس تھی، میں آواز دیتا تو بھاگی جلی آتی تھی۔ ایک روز جو مجھ پر شیطان سوار ہوا تو سوچا کہ وقت ہاتھ سے نکلتا جا رہا ہے۔ آج چھوٹی ہے۔ کل کو بڑی ہو گئی تو ٹھکانے لگانا مشکل ہو جائے گا۔ چنانچہ قتل کے ارادے سے ہمارے گھر کے چلا۔ وہ ہر قسم کے خوف و خطر سے بے نیاز بہرنی کی طرح کلیں کرتی ہوئی آگے آگے بھاگی جا رہی تھی۔ گھر سے تھوڑی دُور ایک پرانا کنواں تھا۔ کتا سے

پر پہنچی تو رُک گئی۔ میں نے موقع غنیمت جانا اور پیچھے سے دھکا دے دیا۔
کنوئیں سے ایک دلدوز ترانہ ابھری اور ساتھ ہی آیتا : آیتا : کی آوازیں آنے
لگیں۔ بھوڑی دیر میں آوازیں ختم گئیں اور میں بہ اطمینان واپس گھرا گیا۔
رحمت للعالمینؐ نے یہ مہذناک کہانی سنی تو سخت آزرده ہوئے۔ آنکھوں سے
آنسو جاری ہو گئے۔

ایک صحابی پاس بیٹھے تھے۔ اس شخص کو مخاطب کرتے کہنے لگے۔ تمہیں ایسا
پروردہ قصہ نہیں سنانا چاہیے تھا۔ اس سے تو حضورؐ پر نشان ہو گئے ہیں۔ اس
پر سرورِ کونینؐ نے فرمایا۔ کوئی بات نہیں۔ اسے کہنے دو۔ جو مصیبت اس پر
پڑی ہے وہ بے چارہ اس کا علاج پوچھنے آیا ہے۔ پھر اس شخص کی طرف
رخ مبارک کیا اور فرمایا۔ ہاں۔ میاں : ایک بار پھر کہو : اس نے دوبارہ وہی
قصہ حرف بحرف بیان کر دیا۔ یہ واقعہ بار بار سننے سے حضورؐ پر رقت طاری
ہو گئی۔ سرزائندوں پر رکھ لیا اور روتے روتے ریش مبارک تر ہو گئی۔
کچھ دیر بعد سراو پر اٹھایا اور فرمایا : ماضی کو بھول جاؤ، اسلام لانے پر
زمانہ جاہلیت کے سارے گناہ معاف ہو گئے۔ جاؤ : اب نئے سرے سے
زندگی شروع کرو۔

رحمت نہیں رحمت: اسلام سے پہلے لڑکیوں کو مصیبت اور پریشانی
کا سبب خیال کیا جاتا تھا یہ رسولِ رحمتؐ کا معجزہ تھا کہ اس مصیبت اور

پریشانی کو سراسر زحمت میں بدل دیا۔ لڑکیوں سے حُسنِ سلوک کو بخشش کا ذریعہ قرار دیا۔ اور ہر طرح سے ان کی بہتری اور بھلائی کی ترغیب دلائی گئی۔

حدیث قدسی ہے کہ جو کوئی لڑکیوں کی آزمائش میں مبتلا کیا گیا اور اس نے اُن کے

ساتھ محبت اور شفقت کا برتاؤ کیا، تو وہ اُسے دوزخ کے عذاب سے اس طرح

بچالیں گی کہ اس کے اور دوزخ کے درمیان پردہ بن کر حائل ہو جائیں گی۔

ایک اور موقع پر فرمایا۔

جو شخص دو لڑکیوں کی پرورش کرے گا۔ یہاں تک کہ جو ان ہو جائیں تو قیامت کے دن

میں اور وہ یوں قریب ہوں گے جیسے یہ میری دو انگلیاں^۲۔ (وضاحت کے لئے

ہاتھ کی انگلیاں اوپر اٹھا کر دکھائیں)۔

اور یہ حضور سرورِ کونین کی نظرِ کرم اور تربیت کا نتیجہ تھا کہ وہی عرب، جو

لڑکیوں کو قتل کیا کرتے تھے، ان کی عزت و ناموس کے سب سے بڑے علمبردار

بن گئے، لڑکیوں کو بوجھ سمجھنے والی یہ قوم، ان کے لئے سراپا رحمت بن گئی۔

کہاں وہ دن کہ لڑکیوں کے سائے سے بھاگتے تھے اور کہاں اب یہ حال کہ

ایک یتیم بچی کو گود لینے کے لئے بڑھ چڑھ کر پیشکش ہو رہی ہیں۔

ایک بچی، تین کفیل۔ قصہ کچھ یوں ہے کہ حضرت حمزہؓ حضورؐ کے

چچا تھے۔ غزوہ احد میں شہادت پائی۔ ان کی ایک بیٹی تھی۔ امامہ نام تھا۔ تنہا

رہ گئیں تو کفالت کا مسئلہ پیدا ہوا۔ جناب رسالت کی خدمت میں پیش کی گئیں تو دیگر صحابہ کے علاوہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ، حضرت جعفر طیارؓ اور حضرت زیدؓ بھی موجود تھے۔ بچی کی نظر حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر پڑی تو چچا چچا کہتے ہوئے انکی جانب لپکی۔ جناب علیؓ نے یتیم بچی کو ہنایت شفقت سے گود میں اٹھایا، پیار کیا اور اپنی زوجہ محترمہ حضرت فاطمہؓ کے یہ کہہ کر حوالے کیا کہ لو، تمہارے چچا کی بیٹی ہے۔ حضرت علیؓ کے بھائی حضرت جعفر طیارؓ کو پتہ چلا تو بھاگے آئے اور کہا کہ بچی مجھے ملنا چاہئے کیونکہ ایک تو یہ میرے چچا کی بیٹی ہے اور دوسرے اس کی خالہ میرے گھر میں ہے۔ حضرت زیدؓ بھی موجود تھے عرض کی یا رسول اللہ! گو بچہ میرا خونی رشتہ نہیں۔ لیکن اس پر میرا حق بھی بنتا ہے۔ کیونکہ اس کے باپ میرے مسلمان بھائی تھے۔

ذرا غور فرمائیں۔ ایک بچی کی کفالت کے لئے تین طرف سے اصرار ہے۔ ایک کو بھائی بھوکا دعویٰ ہے تو دوسرا بھائی کے علاوہ خالو بھی ہے۔ تیسرا کچھ بھی نہیں لگتا۔ لیکن مذہب کے رشتے کو سب سے بڑا رشتہ قرار دیتا ہے۔ یہ منظر دیکھ کر رسول خدا کی آنکھوں میں چمک آگئی۔ فرمایا دعویٰ سب کے برحق ہیں۔ لیکن بچی جعفر طیارؓ کو ملے گی۔ کیونکہ ان کی بیوی امامہ کی خالہ ہے اور خالہ ماں کے برابر ہوتی ہے!

✓ عورت کے دیگر روپ

(رسول پاکؐ نے ماں، بہن، بیٹی اور بیوی کی حیثیت سے معاشرے میں عورت کا مقام متعین کیا۔ آپؐ نے عورت کو گھر کی زینت جانا اور گھر کی چار دیواری کے اندر رہتے ہوئے ہی اس کے تمام معاشی اور معاشرتی مسائل کو حل کر دیا)

بطور بیوی : اخاندان کے نظام کو مضبوط بنیادوں پر استوار کرنے کے لئے نکاح کا مسنون طریقہ رائج کیا۔ نکاح کی محض ترغیب ہی نہیں دلائی بلکہ حکم دیا ہے۔

حدیث مبارک میں آیا ہے:-

ترجمہ:- نکاح میری سنت ہے تو جس نے میری سنت سے منہ پھرا وہ مجھ سے نہیں!

نان و نفقہ : (دین اسلام نے شوہر اور بیوی کے حقوق اور فرائض برابر رکھے ہیں۔ بلکہ شوہر کو بیوی کے خرچے کا پابند بنا کر، اس کے فرائض میں قدرے اضافہ کر دیا ہے۔ نان و نفقہ یعنی بیوی اور بچوں کے خرچے کی تمام ذمہ داری مکمل طور پر شوہر پر ہے۔ جسے وہ کسی صورت میں بھی

رک نہیں کر سکتا۔ یہاں تک کہ اگر میاں بیوی میں علیحدگی ہو جائے اور کوئی بچہ بھی شیرخوار ہو، تو اس دودھ پیتے بچے کی ذمہ داری بھی باپ پر آتی ہے۔ اور اگر ماں علیحدگی کے باوجود اسے دودھ پلانے پر رضامند ہو جائے، تو باپ پر لازم ہے کہ اس خدمت کا باقاعدہ معاوضہ ادا کرے۔

چوری اسلام میں حرام ہے۔ اور اس کی سزا یہ ہے کہ چور کے ہاتھ کاٹ دیئے جائیں۔ لیکن عورت کے لئے معاہدہ تحفظ کو یقینی بنانے کے لئے اسے ای جائز قرار دے دیا۔ وہ یوں کہ اگر کوئی شخص کبجوس ہو، بیوی بچوں کو اپنی حیثیت اور گھر کی جائز ضرورت سے کم خرچہ دے، تو بیوی کو حق پہنچتا ہے اس کی اجازت کے بغیر اس کے پیسوں میں سے ضرورت کے مطابق خرچ کر لے۔

یسا ہی ایک معاملہ حضور سرور کائنات کے سامنے پیش ہوا۔ فتح مکہ کے بعد بوسفیان کی بیوی ہندہ ایک روز دربار رسالت میں حاضر ہوئی۔ عرض کی: یا رسول اللہ! میرا شوہر بے حد کبجوس ہے۔ اپنی دولت سینت سینت کر رکھتا ہے۔ اور مجھے اتنا بھی نہیں دیتا کہ اپنی اور بچوں کی ضروریات پوری کر سکوں۔ تو کیا میں اس کے مال سے انہیں بتائے بغیر کچھ لے سکتی ہوں۔ حضور نے فرمایا بے شک! تم اس قدر لے سکتی ہو جو تمہارے اور تمہارے بچوں کے لئے کافی ہو۔

تفرقہ نہ ڈالو: (بعض لوگوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ میاں بیوی کے درمیان تفرقہ ڈال دیتے ہیں، انہیں آپس میں لڑا کر گھر کا سکون برباد کر دیتے ہیں۔ قرآن حکیم میں اس بُرائی کی سخت مذمت کی گئی ہے۔ سورہ بقرہ میں ارشاد ہوتا ہے کہ شوہر اور بیوی کے درمیان تفرقہ ڈالنے والوں کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے۔)

حسن سلوک: بیوی کے ساتھ حسن سلوک کو مردوں کی بہتری کا معیار مقرر کیا۔ حدیثِ قدسی ہے:

ترجمہ: تم میں سے بہتر وہ ہے جو اپنی بیوی کے لئے بہتر ہے۔
نیک عورت کا مقام ملاحظہ ہو، فرمایا:

ترجمہ: تقویٰ کے بعد نیک عورت سے بڑھ کر کوئی چیز نہیں۔
بیویوں کی طہارت توجہ نہ کرتیوں کو سرزنش فرمائی۔

ایک صحابی تھے، نہایت نیک اور عبادت گزار۔ یادِ الہی میں اس قدر غرق رہتے کہ بیوی کی طرف توجہ نہیں کرتے تھے۔ حضور بنی کریمؐ کو پتہ چلا، بکا بھیجا اور فرمایا:

ترجمہ: تیری بیوی کا بھی تجھ پر حق ہے۔
یعنی ہر وقت عبادت میں ہی مصروف نہ رہا کرو۔ بیوی بچوں کا بھی

خیال رکھا کرو، یہ بھی عبادت سے کم نہیں۔

عورت کی فطری ضد اور ہٹ دھرمی بھی حضور سرورِ کونینؐ کی نظروں سے پوشیدہ نہیں تھی۔ مردوں کو اس سلسلہ میں بھی نرمی اور تحمل سے کام لینے کی تلقین کی۔ اور اسے ایک نہایت عمدہ تشبیہ سے واضح کیا۔
فرمایا:

توجہ: عورتوں کے ساتھ نیکی کا برتاؤ کرو۔ اور یاد رکھو کہ ان کی پیدائش پسلی سے ہوئی ہے اس لئے پسلی کی طرح ٹیڑھی ہیں، ان کے ٹیڑھے پن سے کام لے سکتے ہو تو نو۔ انہیں سیدھا کرنے کی کوشش نہ کرنا مبادا وہ ٹوٹ جائیں^۲۔
ملاحظہ ہو، عورتوں کی چھوٹی موٹی غلطیوں کو نظر انداز کرنے کی تلقین کس خوب صورتی سے کی گئی ہے۔

حجۃ الوداع کے خطبہ میں بھی سرکارِ دو جہانؐ کو عورت کے حقوق کا مکمل احساس رہا، یہ آپؐ کا آخری وعظ تھا اور آخری تلقین، اس لحاظ سے وصیت بھی کہہ سکتے ہیں۔
صیح مسلم کے الفاظ ہیں:

توجہ: عورتوں کے بارے میں خدا سے ڈرو، کہ وہ تمہارے بس میں ہیں۔

۱۔ روایت ہے کہ حضرت آدمؑ کی تخلیق ہوئی تو تنہا تھے۔ کوئی مونس و غمخوار نہ تھا۔ اس پر ہنسنے لگے اور ساتھی کی خواہش کی تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت حواؑ کو ان کی پسلی سے تخلیق فرمایا۔
۲۔ بخاری۔

اس ایک جملے میں کس قدر بلاغت ہے۔ اور معافی کے سمندر پوشیدہ

ہیں جو چیز کسی کے بس، کنٹرول یا قبضے میں ہو، اس کی تمام تر ذمہ داری بھی
تو اُسی پر آجاتی ہے۔

اسلام دین فطرت ہے۔ زندگی کے ہر مسئلے کا حل اس میں موجود ہے۔
طلاق کو جائز قرار دیا لیکن ہنایت مجبوری کی حالت میں۔ بیویوں سے ان بن کی
صورت میں صلح کی راہ نکالنے کی ہدایت کی۔

انسان فطری طور پر تنوع پسند ہے، بہتر سے بہتر کی تلاش میں رہتا ہے۔
بعض اوقات یہی فارمولا بیوی کے بارے میں استعمال کرتا ہے تو قرآن سیدھی
راہ سمجھا دیتا ہے۔

سورۃ نساء میں ارشاد ہوتا ہے۔

وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ
فَعَلَيْكُمْ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَبَرًا

گشتِ رُحا

ترجمہ:- اور بیویوں کے ساتھ معقول طریقے سے نباہ کرو۔ اگر وہ تمہیں

نہ بھائیں۔ تو ہو سکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں ناپسند ہو اور اللہ نے اس میں بیشمار

خوبیاں اور بھلائیاں رکھی ہوں۔ (النساء 23)

اور پھر چار تک بیویاں رکھنے کی اجازت تو دی۔ مگر اس احتیاط کے

ساتھ کہ کسی بھی بیوی کی حق تلفی نہ ہو۔

بطور ماں : بیوی اور بیٹی کے علاوہ بھی عورت کا ایک روپ ہے اور وہ ہے ماں کا۔ ماں کے رشتے کو زمانہ جاہلیت میں بھی مقدس سمجھا جاتا تھا، لیکن اسلام نے عورت کے اس روپ کے تقدس کو انتہائی پہنچا دیا۔ جنت کو ماں کے قدموں کے نیچے کہہ کر اس مہستی کے مقام و مرتبہ کو کس قدر بلند کر دیا گیا ہے۔

ماں کی خدمت کو جہاد پر فضیلت دی۔ اور اس کے ساتھ نیکی کو کٹی گناہوں کا کفارہ قرار دیا۔

حقیقی ماں ہی نہیں حضور سرورِ کائنات نے تو رضاعی ماں کو بھی سگی ماں جیسا مقام و مرتبہ دیا۔ رضاعی بہنوں اور ماؤں کو بھی سگی ماؤں اور بہنوں جیسے حقوق عطا کئے۔

بطور بیوہ : (عورتوں کا ایک مظلوم طبقہ بیوگان کا ہے۔ سرے سے شوہر کا سایہ اٹھ جائے تو غم و اندوہ کے پہاڑ ٹوٹ پڑتے ہیں۔ کل کی ملکہ آج کی بھکاری بن جاتی ہے، اپنے، پرانے سبھی آنکھیں پھیر لیتے ہیں۔ کہیں اس پر رزق کے دروازے بند کئے جاتے ہیں، تو کہیں اسے جذبات و احساسات سے عاری مخلوق سمجھ لیا جاتا ہے، اور یوں وہ بیچاری معاشرے سے کٹ کر اپنی ذات کے حصار میں قید ہو کر رہ جاتی ہے۔ اس کی ہر حرکت مشکوک

اور ہر فعل قابلِ ملامت قرار پاتا ہے۔ ایسے میں اگر بچوں کا ساتھ ہو تو بیماری کی مشکلات اور بڑھ جاتی ہیں۔ اپنے یا بچوں کے مسائل کے بارے میں کسی سے مشورہ بھی کر لے تو ہر طرف سے انگلیاں اٹھنے لگتی ہیں۔ جس کے منہ میں جو آئے، کہہ دیتا ہے۔

حضور سرورِ کونینؐ نے عورتوں کے اس بے بس اور مظلوم طبقہ کی بھی دستگیری کی۔

حدیث مبارک ہے:-

ترجمہ:- بیوہ اور غریب کے لئے دوڑ دھوپ کرنے والے کا مقام

خدا کی راہ میں جہاد کرنے والے کے برابر ہے۔ اور وہ اس شخص سے بھی

کسی طور کم نہیں جو دن میں روزہ رکھتا ہے اور رات بھر نماز پڑھتا ہے۔

بسمان اللہ! بیوہ کی خدمت کو جہاد، روزہ داری اور شب بیداری کے برا قرار دیا۔ یہی نہیں۔ اسلام نے بیوہ کو شوہر کے ترکے سے حصہ دلایا۔ سوگ کے دن مقرر کر دیئے۔ یعنی صرف چار مہینے اور دس دن جنہیں عدت کہا ہے۔ بیوہ کو دوبارہ شادی کی مکمل آزادی ہی نہیں دی بلکہ قرآن حکیم کی سورہ نور میں تو کھلے طور پر حکم ہوا۔ کہ اپنے میں سے بے شوہر والی عورتوں کا نکاح کر دیا کر د۔ اس ضمن میں رسول خداؐ نے ذاتی مثال پیش کی۔ عین عالم جوانی

جبکہ عمر مبارک صرف پچیس برس تھی، چالیس سال کی ایک اذھیڑ عمر بیوہ، حضرت خدیجہؓ سے شادی کی۔ یہ آپؐ کی پہلی شادی تھی۔ پچیس برس تک رفاقت رہی اور حضرت خدیجہؓ کی زندگی میں آپؐ نے دوسرا نکاح نہیں کیا۔ اس بیوہ کا مقام کس قدر بلند ہے، جس نے اپنے بچوں کی پرورش کی خاطر عیش و آرام کی زندگی سے منہ موڑا اور اپنے آپ کو بچوں کی خدمت کے لئے وقف کر دیا۔

حضور سرورِ عالمؐ نے ایسی بیوہ کے مقام و مرتبہ کو ایک واقعہ کی شکل میں بیان فرمایا ہے۔

فرمایا کہ قیامت کے دن میں جب جنت کا دروازہ کھولوں گا، تو ایک عورت نظر آئے گی جو جنت میں مجھ سے بھی پہلے داخل ہونا چاہے گی۔ میں پوچھوں گا۔ ہاں تو کون ہے، تو بتائے گی میں ایک بیوہ ہوں، جس کے چند ننھے یتیم بچے تھے۔

یعنی میں نے ان کی پرورش کی اور دوسری شادی سے باز رہی { ذاتی مثال:- مختلف حیثیتوں میں عورت کا وقار بلند کرنے کے لئے حضور سرورِ کونینؐ نے ذاتی مثالیں پیش کیں۔

ابھی آپؐ بچے ہی تھے کہ والدہ ماجدہ وفات پا گئیں۔ حضرت حلیمہؓ آپؐ کی رضاعی ماں تھیں۔ جنہوں نے آپؐ کو دودھ پلایا اور پالا۔ آپؐ ان کا اور رضاعی بہن شیماء کا عمر بھر نہایت احترام اور ادب فرماتے رہے۔ وہ آپؐ کو تعظیماً کھڑے

ہو جاتے اور بیٹھنے کے لئے چادر بچھا کر دیتے۔

حضورؐ کو اپنی بیویوں سے بھی بے حد محبت اور رغبت تھی، پہلا نکاح حضرت خدیجہؓ سے کیا۔ بعد میں مختلف اوقات میں دس ازدواج مطہرات آپؐ کے نکاح میں رہیں۔ سب کے ساتھ یکساں سلوک کیا اور کسی کو کبھی شکایت کا موقع نہ دیا۔

حضرت فاطمہؓ آپؐ کی بیٹی تھیں، ان سے زندگی بھر بے پناہ محبت اور شفقت کی، سفر سے لوٹتے تو سب سے پہلے انہیں کے گھر جاتے۔ وہ تشریف لائیں تو اٹھ کر کھڑے ہو جاتے۔ پیشانی پر بوسہ دیتے اور اپنی نشست پر بٹھاتے۔ تعلیم و تبلیغ کے لئے علیحدہ وقت؛ دین کی تعلیم اور تبلیغ کے سلسلے

میں بھی بنی اکرمؓ نے عورتوں کو مردوں کے برابر درجہ دیا۔ مسجد نبویؐ میں وعظ فرماتے تو ہر کسی کی خواہش ہوتی تھی کہ زیادہ سے زیادہ قریب ہو کر آپؐ کی باتیں سُننے۔ خلقت کا ایک ہجوم ہوتا تھا۔ جس میں مرد بھی ہوتے تھے اور عورتیں بھی۔ مرد تو شمع رسالتؐ کے پاس پہنچ جاتے جبکہ عورتیں دُور سے ہی استفادہ کرتیں۔

ذقت پڑھی تو عورتوں نے عرصہ کی کہ مردوں کے ہجوم کی وجہ سے انہیں دعا سننے اور مسئلے مسائل دریافت کرنے میں دشواری ہوتی ہے، لہذا انہیں الگ وقت دیا جائے۔ حضورؐ نے ان کی درخواست قبول فرمائی اور عورتوں کے لئے

ایک دن مقرر کر دیا۔

تبصرہ:- ان اقدامات کا یہ نتیجہ نکلا کہ عورت کو اس کے چھنے ہوئے حقوق

مل گئے وہ روزمرہ زندگی میں مردوں کے ہم پلہ قرار پائی۔ زمانہ امن ہو یا میدان جنگ وہ ہر جگہ مردوں کے شانہ بشانہ نظر آنے لگی۔ عورت کو حقیر، کم حوصلہ اور ناسمجھ خیال کرنے والے افس کے اوصاف کے گن گانے لگے۔ یہ حضور سرورِ کونینؐ کی نظرِ کرم تھی کہ اس مظلوم مخلوق کی آزمائش ختم ہوئی اور وہ ایک آزاد اور با وقار ہستی کے طور پر دنیا کے سامنے آئی۔

عورت کی آزادی کی اس سے بڑھ کر مثال کیا ہو سکتی ہے کہ ایک لونڈی اپنے مشوہر سے علیحدگی اختیار کرتی ہے تو وہ پریشانی کے عالم میں دربار رسالت میں حاضر ہوتا ہے کہ آپؐ خاتون کو سمجھا دیں اور بات بنی رہے۔ حضورؐ نظر ثانی کے لئے کہتے ہیں تو لونڈی یہ جان کر کہ یہ آپؐ کا حکم نہیں، بلکہ مشورہ ہے، قبول کرنے سے معذرت کر دیتی ہے۔

آج دنیا بھر میں حقوق نسواں کا بہت شہرہ ہے۔ ایشیا ہو یا یورپ، امریکہ ہو یا افریقہ، ہر جگہ خواتین کے حقوق کی بات ہو رہی ہے۔ کانفرنسیں منعقد ہوتی ہیں۔ جلسے بلائے جاتے ہیں۔ جلوس نکلتے ہیں۔ مغرب کے ترقی یافتہ ملک گلا بھاڑ بھاڑ کر پراپیگنڈہ کرتے ہیں کہ عورت کو آزادی اور حقوق دلانے میں

انہوں نے پہل کی ہے۔ اس قسم کے بے بنیاد دعوے کرتے وقت وہ یہ یکسر
 بھول جاتے ہیں۔ کہ ان کی عورتیں تو ابھی دو صدیاں پہلے تک غلاموں جیسی زندگی
 بسر کرتی تھیں۔ جبکہ حضور سرورِ کونینؐ، رحمۃ اللعالمینؐ نے یہ انقلاب آج سے
 چودہ سو سال قبل برپا کیا اور بلند بانگ دعوے کرنے والوں نے جو تھوڑی بہت
 روشنی حاصل کی ہے وہ اسی منہج نور سے لی ہے۔

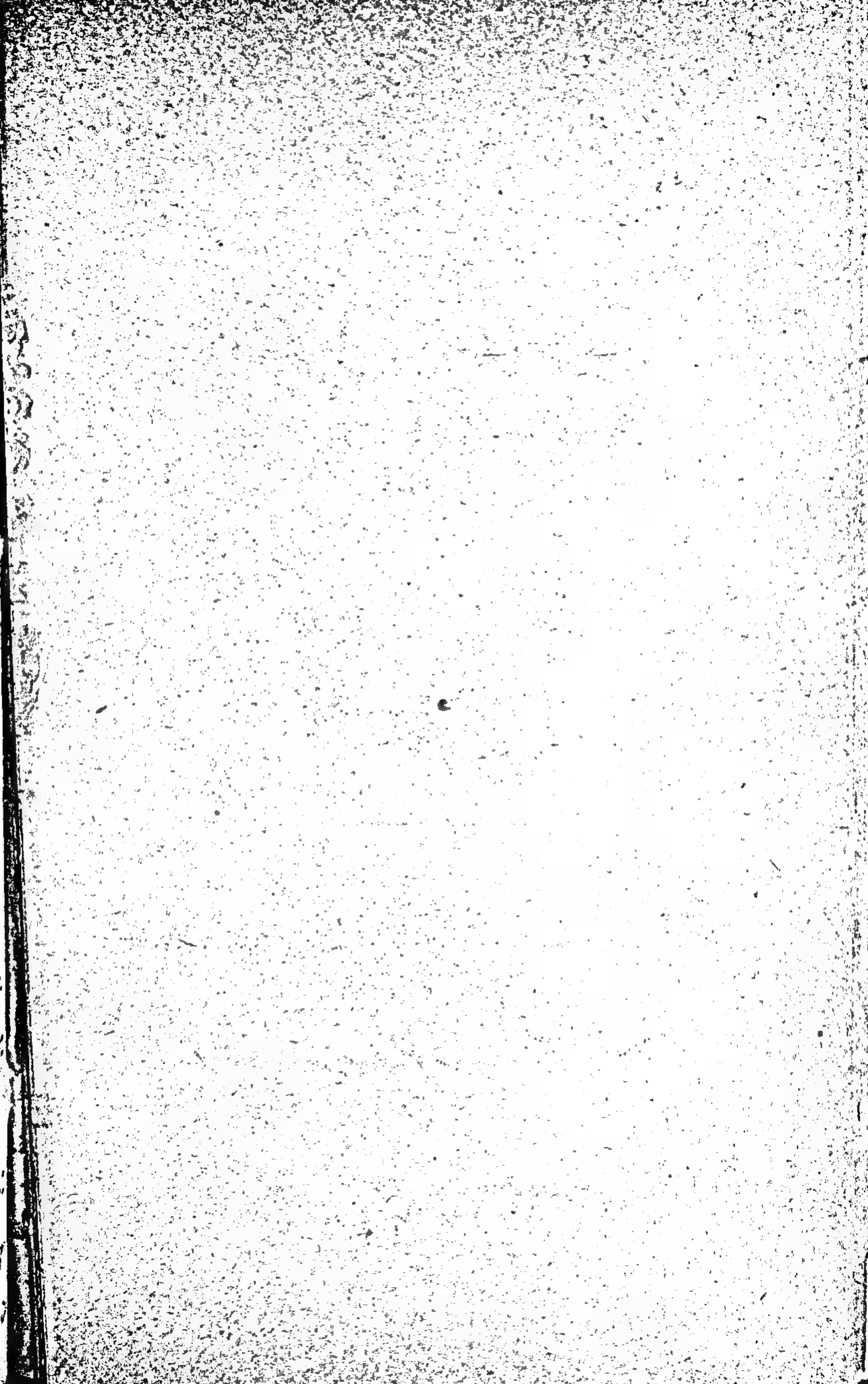
رسولِ رحمتؐ



غلاموں

کے لئے





رسول رحمت غلاموں کے لئے

(رسول خدا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے وقت دنیا کی بیشتر اقسام میں غلامی کا رواج موجود تھا، یہ بے بس لوگ جانوروں جیسی زندگی بسر کرتے، ان بیچاروں کو پیٹ بھر کر کھانا ملتا اور نہ ہی حیم ڈھانپنے کو کپڑا، مالک کے اشارے پر حکم، بجا لانا ان کا مقدر تھا۔ اور اگر کبھی بھول چوک ہو جاتی تو ایسی سخت سزائیں ملتیں، جن کے تصور ہی سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اور اس سے بھی اگر جی نہ بھرتا کو مالک کو حق حاصل تھا کہ کسی کے ہاتھ بیچ کر پیسے کھرے کر لے۔

بعثت سے پہلے غلاموں کی حالت

یہاں یہ ضروری محسوس ہوتا ہے کہ بعثت کے وقت مختلف ملکوں اور قوموں میں غلامی کے تصور اور رواج کا جائزہ لیا جائے۔

ہندوستان :- غلامی کی سب سے زیادہ منظم اور قدیم شکل ہندوستان

میں موجود تھی۔ ہندومت میں ذات پات کے فلسفہ پر ایک نظر ڈالیں،

اعلیٰ ترین ذات برہمنوں کی تھی، جو دوسروں کے مذہبی اور روحانی پیشوا بھی تھے،

ان کے بعد کشتری آتے تھے۔ جن کا کام ملک کا دفاع کرنا تھا، پھر ویش تھے۔

بندیت یا بڑی یا معمولی کاروبار کر سکتے تھے اور آخر میں شودر آتے ہیں۔ سب سے گھٹیا لوگ تھے، جو کہنے کو تو ہندو تھے مگر باقی تین ذاتوں سے ان کی کوئی تعلق نہیں تھا، انہیں نہایت حقیر، کمتر اور ناپاک سمجھا جاتا تھا۔

ذاتوں کی یہ تقسیم مستقل بنیادوں پر تھی۔ برہمن کا بیٹا برہمن اور شودر کا بیٹا شودر ہی ہوتا۔ اہلیت کے باوجود کسی شودر گھرانے میں جنم لینے والا فرد عزت کا نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا تھا۔ ان پر عبادت گاہوں کے دروازے بند تھے، اگر چاہیں تو الگ مندر بنالیں، ان کے کنویں اور بستیاں الگ تھیں وہ ہندوؤں کے مقدس کتاب 'وید' کے پاس تک نہیں پہنچ سکتے تھے اور اگر کہیں غلطی سے بھی اس کا کوئی لفظ ان کے کانوں میں پڑ جاتا، تو سزا کے طور پر کانوں میں گچھلا ہوا سسید ڈالا جاتا تھا۔ وہ ایک طرح سے اعلیٰ ذات کے ہندوؤں کی ذاتی غلام تھے۔ وہ جو کام چاہتے ان سے لیتے اور جو ظلم چاہتے، روا رکھتے تھے۔ تو گویا حضور نبی کریمؐ کی بعثت کے وقت ہندوؤں میں غلامی نہ صرف موجود تھی، بلکہ ایک لحاظ سے ان کے مذہب کا حصہ تھی۔

لطف کی بات تو یہ ہے کہ ہندو سوسائٹی کا نقشہ آج بھی وہی ہے سیکڑوں سال بیت گئے۔ دنیا کہاں سے کہاں پہنچ گئی۔ تقریباً سبھی جگہوں کی نہ بخیریں کٹ گئیں۔ مگر ہندوستان میں حالت نہ بدل۔ وہاں آج بھی شودر سب سے گھٹیا آدم شمار ہوتے ہیں بیسویں صدی کی ان آخری دہائیوں میں

ان کے ساتھ غیر انسانی سلوک روا رکھا جاتا ہے ، وہ آج بھی اعلیٰ ذات کے
ہندوؤں کے تابع اور غلام ہیں۔ اگر کبھی بھولے سے حقوق کی بات کریں، تو
گردن زدنی قرار پاتے ہیں۔

✓ یونان : یونانی تہذیب نہایت قدیم ہے۔ یونانیوں سے سب سے پہلے
شہری زندگی کے اصول اور قوانین وضع کئے۔ شہریوں کے لئے حقوق و فرائض
مرتب کئے اور آج کا یونانی بھی ماضی کی ان کارگزاریوں پر فخر کرتا ہے۔
لیکن وہاں بھی انسانوں کے درمیان تفریق کی گئی۔ کوئی اعلیٰ خون مٹھراتو
کسی کو ادنیٰ قرار دیا گیا۔ شرنا۔ مٹھوڑے ہی نکلے جبکہ نچلے درجے والوں کی
انتہا نہ رہی، اور صورت حال یہ تھی کہ ایک آزاد شہری کے حصے میں تین
غلام آتے تھے۔ ایسا ہوتا بھی کیوں نہ۔ وہاں کے مانے ہوئے فلاسفر اور
عالم باتا عدہ غلامی کے حق میں دلائل دیتے نہیں تھکتے تھے۔ ارسطو کے نام سے
کون واقف نہیں۔ دنیا آج بھی اس کی علمیت کا سکھ مانتی ہے۔ مگر غلامی کے
بارے میں کہتا ہے کہ:-

”ایک نظری شے ہے۔ ادنیٰ اور اعلیٰ کی تفریق ازل سے ہے اور اب تک
رہے گی۔ بعض لوگوں کی توقیرت میں ہی عدم بننا لکھا ہوتا ہے اور وہ پیدا ہی اس لئے
ہوتے ہیں کہ دوسروں کے تانہ اٹھائیں۔“

جس معاشرے میں تہذیب اور اخلاق کے بانیوں کا یہ حال ہوگا، وہاں
 خیر کی توقع رکھنا فضول ہے۔ یونان اور اس کے زیر اثر دیگر علاقوں میں غلامی
 پنپی اور خوب پنپی۔ وہاں کی قدیم عمارات کے کھنڈرات آج بھی ان مظلوم
 انسانوں کی بے بسی کی بے شمار داستانیں سنانے کے لئے بے تاب ہیں۔
 قدیم یونانیوں نے دیگر فنون کے ساتھ ساتھ کھیوں پر بھی توجہ دی۔ اجتماعی
 کھیوں کے لئے اکھاڑے بنائے، طرح طرح کے کھیوں کو رواج دیا۔ شرفاء کی
 خوش دلی کے لئے بہت پاڑیلے۔ لیکن تصویر کا تاریک ترین رخ یہ ہے کہ
 کبھی کبھی ایسا کرنے کے لئے غلاموں کے خون کی ہولی بھی کھیلی جاتی تھی۔ وہ
 یوں کہ ان لاچار انسانوں کو ہاتھ پاؤں باندھ کر اکھاڑے میں پھینک دیا
 جاتا۔ اور ان پر بھوکے شیروں کو چھوڑ دیا جاتا۔ بے بس انسان چیتے چلاتے
 تو شرفاء کے چہروں پر مسکراہٹ پھیل جاتی۔

۳۔ مصر۔ مصری تہذیب بھی خاصی پرانی ہے۔ بلکہ بعض ماہرین تو اسے روم
 سے بھی زیادہ قدیم شمار کرتے ہیں۔ اس کا جائزہ لیں تو وہاں بھی غلامی کی
 لعنت اپنے پورے عروج پر نظر آتی ہے۔ قدیم مصری حکمرانوں کے مملات دکھیں
 یا اہرام مصر پر ایک نظر ڈالیں۔ ایک ایک پتھر اپنے بنانے والوں کی مظلومیت
 کی داستان سنانے کے لئے بے قرار ہے۔

۱۔ اولیٰک کھیوں کی ابتدا بھی یونان ہی سے ہوئی

ان پر شکوہ عمارات کی تعمیر غلاموں کے ہاتھوں ہی ہوئی۔ سینکڑوں فٹ کی بلندی پر بیسیوں من وزنی پتھر لگے دیکھ کر حیرت گم ہو جاتی ہے، کہ ہزاروں برس پہلے جب کمینوں کا وجود تک نہیں تھا، انہیں اس قدر بلندی تک کیسے پہنچایا گیا۔ یقیناً یہ کام انسانوں ہی نے کیا، لیکن اس کوشش میں کمینوں نے جانیں گنوائیں۔ یہ کوئی نہیں جانتا۔ ظاہر ہے تعداد سینکڑوں میں نہیں ہزاروں میں ہوگی۔ بھلا ایسی بیکار مخلوق کا ریکارڈ کون رکھتا تھا۔ حکمرانوں کو زندگی میں مملات چاہئیں تھے اور مرنے پر مقبرے۔ لہذا وہ ان غلاموں نے اپنے خون سے تعمیر کر دیئے۔ اللہ اللہ خیر ملّا۔

کبھی مصری عجائب گھروں میں جھانکنے کا اتفاق ہو تو عجیب و غریب کھلونے اور تصاویر دیکھنے کو ملیں گی۔ کہیں چھکڑوں میں جانوروں کی جگہ انسان جتا ہوا ہے تو نہیں وہ امرار کی تفریحی گاڑیوں کو کھینچ رہا ہے۔ کہیں بیگمات کی ڈولیوں کو کندھا دیئے ہوئے تو کہیں کسی آعلیٰ نسل انسان کے سر پر بڑی سی چھتری تانے کھڑا ہے۔ قدیم مصر میں غلامی کے یہ چند روپ، آج بھی انسانوں کو بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔

✓ عرب بر غلامی کے معاملے میں عرب بھی دوسری قوموں سے پیچھے نہیں تھے۔ سارا ملک قبائل میں بٹا ہوا تھا۔ قبیلے کا سردار اپنے آدمیوں کی نواح و بہود کا خیال رکھتا اور وہ دل و جان سے اس کی اطاعت کرتے تھے۔ اس نظام کے تحت وہ اپنے آپ کو محفوظ خیال کرتے تھے۔ سردار کے خلاف بغاوت کا تصور ہی نہ تھا۔

ایسا کرتے والا برادری، قبیلے سے خارج اور بے یار و مددگار ہو جاتا تھا۔ یوں اپنی آزادی کے تحفظ میں ناکام ہوتا، تو کسی زبردست کے سہتے چڑھ جاتا تھا جو اُسے غلام بنا لیتا۔

پھر قبائل کی باہمی جنگوں میں شکست کھانے والوں کو بھی اکثر غلام بنا لیا جاتا تھا، دیگر ملکوں سے بھی غلام بکنے کے لئے سرزمین عرب میں آجاتے تھے۔ جنہیں مالدار لوگ خرید لیتے اور یوں یہ سلسلہ جاری رہتا تھا۔

غلاموں کے بارے میں عربوں کے نظریات بھی دوسری اقوام سے ملتے جلتے تھے۔ ان کے بس فرائض ہی فرائض تھے، حقوق کا کوئی تصور نہیں تھا۔ بیچارے جانوروں کی طرح کام کرتے اور مکمل طور پر مالکوں کے رحم و کرم پر ہوتے تھے۔

✓ طلوعِ آفتابِ سالت

حضرت سرورِ کائناتؐ نے مظلومیت کے شکار، اس طبقے کو بھی ذات کی گہرائیوں سے نکالا۔ انہیں شرفاء کا ہمسر ہی نہیں بنایا بلکہ آقا اور مولا بھی بنا دیا۔ بعثت سے قبل بھی حضورؐ انسان کو انسان کے تابع دیکھتے تو پریشان ہو جاتے اور ان کی فلاح کے لئے غور و خوض فرماتے رہتے تھے۔ چنانچہ یہ آپؐ ہی کی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ مکہ کے چند رئیسوں نے مل کر ایک معاہدہ امن طے کیا۔ انہوں نے عہد کیا کہ اس مقدس شہر کو امن

کی بستی بنایا جائے گا۔ غریبوں، مسکینوں، یتیموں، ناداروں، غلاموں اور کینزوں کے حقوق کا خیال رکھا جائے گا، اور حتی الامکان ان کی حفاظت اور حمایت کی جائیگی۔ تاریخ میں اس معاہدے کو حلف الفضول کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں شامل تین سرداروں کے ناموں میں فضل کا لفظ مشترک تھا۔ چنانچہ اس نسبت سے معاہدے کو حلف الفضول کہا جانے لگا۔ حضور سرور کونینؐ نے بھی اس میں شرکت کی۔ آپؐ بیعت کے بعد بھی اس کا ذکر فخر سے فرماتے اور کہتے کہ اس عہد کے بدلے میں کوئی اگر مجھے سُرخ اونٹ بھی دے تو نہ لوں۔ اور اگر کوئی آج بھی مجھ سے ایسا معاہدہ کرنے کے لئے کہے تو میں تیار ہوں، گویا مظلوموں، مسکینوں اور غلاموں سے ہمدردی آپؐ کی گھٹی میں تھی اور اس کی عملی ابتداء ظہور اسلام سے قبل ہی ہو چکی تھی۔ اور یہ ان بے بس انسانوں سے آپؐ کی رغبت ہی کا نتیجہ تھا کہ انہوں نے دعوتِ حق پر سب سے پہلے لبیک کہا۔ ان میں حضرت زید بن حارثہؓ، حضرت جنابؓ، حضرت بلالؓ، حضرت صہیبؓ، حضرت عامر بن فہیرہؓ، حضرت عمارؓ، حضرت سالمؓ اور حضرت یاسر مثنیٰؓ کے نام قابلِ ذکر ہیں۔

بتدریج اقدامات

اعلانِ نبوت کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک باقاعدہ

پردہ گرام کے تحت غلامی کے خاتمہ کے لئے بتدریج اقدامات کئے۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ اس زمانہ کے حالات کے پیش نظر غلامی کو فوری ختم کرنا ممکن نہ تھا۔ اس سے طرح طرح کے معاشی اور سماجی مسائل پیدا ہونے کا خدشہ تھا، چنانچہ ایسی حکمت عملی اختیار کی گئی کہ کسی قسم کی الجھن کا شکار ہونے بغیر، یہ لوگ آہستہ آہستہ معاشرے کے باعزت فرد بننے جائیں۔

○ غلاموں کو آزادی دینے اور دلائے کو افضل ٹیکہ قرار دیا۔

○ زکوٰۃ، اسلامی مالیاتی نظام کا ستون ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اسے جن کاموں پر خرچ کرنے کی اجازت دی ہے، ان میں غلاموں کی آزادی بھی ہے۔ یعنی زکوٰۃ کے پیسوں سے کسی غلام کو خرید کر آزاد کیا جاسکتا ہے۔

سبحان اللہ! مصلحت ملاحظہ ہو۔ کہ اس برائی کے خاتمہ کے لئے اگر کہیں انفرادی کوششیں کم پڑ جاتیں، تو حکومت زکوٰۃ کی مدد سے رقم خرچ کر کے ایسے مظلوم انسانوں کی مدد کر سکتی ہے۔ اور پھر زکوٰۃ دکن اسلام بھڑی جس کی ادائیگی مسلمان قیامت تک کرتے رہیں گے۔ تو گویا اس فنڈ کو دوام بخش کر اس امر کو یقینی بنایا کہ دنیا سے غلامی کی جڑ کٹ جائے۔

○ غلاموں کی آزادی کو مختلف گناہوں کا کفارہ مقرر کر دیا۔ مثال کے طور پر:

۱۔ اگر کوئی شخص جان بوجھ کہ قسم توڑ دے تو اس

پر واجب ہے کہ ایک غلام آزاد کرے یا دس مسکینوں

- کو کھانا کھلائے یا پھر تین دن روزے رکھے۔
- ب۔ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو اپنی ماں سے تشبیہ دے دے تو اس کے لئے لازم ہے کہ ایک غلام آزاد کرے یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے اور یا دو مہینے کے مسلسل روزے رکھے^۲
- ج۔ اگر کوئی ذمی کسی مسلمان کے ہاتھوں قتل ہو جائے، تو اس پر واجب ہے کہ ایک مسلمان غلام آزاد کرے یا دو مہینے کے لگاتار روزے رکھے۔
- د۔ زمانہ جاہلیت میں جنہوں نے اپنی لڑکیوں کو قتل کر دیا تھا انہیں حکم ہوا کہ ہر لڑکی کے بدلے میں ایک غلام آزاد کریں۔ اگر یہ ممکن نہیں تو ہر لڑکی کے کفارے میں ایک اونٹ کی قربانی دیں^۳۔

- دشمن کا غلام مسلمانوں کی پناہ میں آجانے تو خود بخود آزاد ہو جاتا تھا۔
- غلاموں کو یہ سہولت دی گئی کہ وہ اپنی قیمت خود ادا کر کے آزادی خرید سکتے ہیں۔ اس غرض کے لئے وہ کسی دوسری جگہ ملازمت کر سکتے تھے۔ اور اس دوران ان پر اپنے مالک کی خدمت لازم نہیں ہوتی تھی۔
- اُس زمانہ میں غلاموں کی اکثریت جنگی قیدیوں پر مشتمل ہوتی تھی۔ جنگوں میں

۱۔ بحوالہ سورۃ المائدہ ۲۔ بحوالہ سورۃ المائدہ ۳۔ وہ غیر مسلم جو مسلمانوں کی پناہ میں آجائے ۴۔ بحوالہ سورۃ النساء ۵۔ سید سلیمان ندوی، سیرۃ النبیؐ جلد ششم، ص ۲۱۱

پکڑے جانے والے لوگوں کو ذاتی خدمت کے لئے رکھ لیا جاتا اور وہ باقی عمر نہایت کس پرسی کی حالت میں گزار دیتے تھے۔ ان کے لئے آزادی ایک خواب و خیال بن کر رہ جاتی تھی۔ اسلام نے جنگی قیدیوں کی رہائی کے لئے نہایت آسان قوانین بنائے۔

(الف) کھاتے پیتے قیدی معمولی سی رقم بطور فدیہ ادا کر کے آزاد ہو سکتے تھے۔

(ب) پڑھے لکھے قیدی چند ان پڑھ مسلمانوں کو پڑھا کر آزاد ہو سکتے تھے۔

بدر کے بعض قیدیوں کی رہائی اسی طرح ہوئی تھی۔

(ج) نادار اور مفلس قیدیوں کو کسی معاوضے کے بغیر یونہی چھوڑ دیا جاتا تھا۔

ان اقدامات کا نتیجہ یہ نکلا کہ غلام و حُر دھڑ آزاد ہونے لگے۔ صحابہ نیکی کے

اس کام میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کرتے تھے۔ زیدؓ رسول

اتم المؤمنین حضرت خدیجہؓ ایک کھاتی بیٹی خاتون عتیں۔ انہوں نے اللہ کی راہ میں

بے شمار غلام آزاد کئے وہ عام طور پر غلام کی چکی میں پسے والوں کو ان کے آقاؤں

سے خرید لیتیں اور آزاد کر دیتی تھیں۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ نے بھی اس کارِ خیر

میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ ان کی صاحبزادی اور زیدہؓ رسول اتم المؤمنین حضرت

عائشہؓ نے صرف ایک قسم کے کفار سے میں چالیس غلام آزاد کئے۔ حضرت حکیم بن

حزام نے فتح مکہ کے موقع پر اسلام قبول کیا تھا۔ ایمان کی دولت سے مالا مال

ہونے کے بعد آپ نے ایک سو غلام آزاد کئے۔ حضرت عبداللہ بن عمر کے بارے میں

ردایت ہے کہ انہوں نے ایک ہزار غلاموں کو آزادی دلائی اور حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کے بارے میں بھی کہا جاتا ہے کہ ان کے ہاتھوں سینکڑوں غلام آزادی کی نعمت سے مالا مال ہوئے۔

یہ حضور سرور کونینؐ کی نظر کرم تھی کہ ہر طرف غلامی کی نہ بھیریں کھٹے لگیں اور لا تعداد لاچار اور مجبور انسانوں کو آزادی جیسی نعمت نصیب ہوئی۔

تحفظات

۱) جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے، اس زمانہ کے حالات کے پیش نظر غلامی کو یک لخت ختم کر دینا ممکن نہیں تھا۔ چنانچہ یہ چھوٹے چھوٹے بہانے رکھے گئے تاکہ بندہ بندے کا تابع نہ رہے، بلکہ اللہ کی غلامی میں آکر سب یکساں ہو جائیں۔ تاہم اس برائی کے مکمل خاتمے تک ان لاچار انسانوں کو بہت سارے تحفظات دیا گئے۔

۲) خوراک اور لباس کے بارے میں تاکید۔ غلاموں کے معاشی تحفظ کو

یقینی بنانے کے لئے جناب رسالتؐ نے فرمایا۔ "غلام تمہارے بھائی ہیں جو خود کھاؤ ان کو کھاؤ، جو خود پہنو ان کو پہناؤ۔ ان کو اتنا کام نہ دو جو وہ نہ سکیں۔ اور اگر کام زیادہ ہو تو خود بھی ان کی مدد کر دیا کرو۔"

خادموں کو اپنے ہمراہ کھلانے کو کہا۔ فرمایا۔

”جب کوئی تمہارا خادم کھانا لائے تو اسے اپنے ہمراہ بٹھاؤ، اگر وہ ایسا

نہ کرے تو اسے ایک دو لہتے دے دو“

✓ حسن سلوک کی تاکید:- مومن کی معراج جنت کا حصول ہے۔ غلاموں

کے ساتھ اچھا برتاؤ نہ کرنے والوں کو یہ کہہ کر ڈرایا۔ غلاموں کے ساتھ بدسلوکی

کرنے والا جنت میں نہیں جائے گا۔

ایک صحابی کو غلام کو سزا دیتے ہوئے دیکھا تو فرمایا۔

”تمہیں جس قدر اس غلام پر اختیار ہے، اللہ کو اس سے کہیں زیادہ تم پر

اختیار ہے“^۱

صحابی نے یہ سنا تو لرز گئے اور غلام کو اسی وقت آزاد کر دیا۔

ایک صحابی کے خدمت گار ذرا سست قسم کے تھے۔ اکثر ڈانٹ ڈپٹ کر

پڑتی تھی۔ حضور سرور کونینؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پوچھا کہ کیا میرا

فصل درست ہے؟ آپؐ نے فرمایا:

تمہاری سزائوں کے قصور کے برابر ہوگی تو خیر ورنہ سزا کی جو مقدار زائد ہوگی

رہتی اللہ تمہیں بھی دے گا“^۲

اس پر وہ صحابی پریشان ہو گئے اور فوری تمام خدمت گاروں کو آزاد کر دیا۔

غلاموں کی غلطیوں اور کوتاہیوں کو نظر انداز کرنے پر بہت زور دیا۔ ایک دفعہ ایک صحابی نے عرض کی یا رسول اللہ! میں غلام کا قصور کتنی دفعہ معاف کر دوں۔ آپ خاموش رہے، دوسری مرتبہ پوچھا، تو بھی کوئی جواب نہ دیا۔ تیسری بار دریافت کرنے پر فرمایا۔

”دن میں ستر بار معاف کیا کرو“

سبحان اللہ اس قدر کرم کے بعد سزا کی گنجائش ہی کہاں رہ جاتی ہے۔

۷ تحائف اور وظائف میں سے حصہ ظہورِ قدسی سے قبل

تحائف، وظائف اور مالِ عنیت میں سے غلاموں اور کینزوں کو کچھ نہیں ملتا تھا۔ حضور سرورِ کونین نے ان میں ان کا باقاعدہ حصہ رکھا، بلکہ انہیں خصوصی حصے کا مستحق قرار دیا تاکہ وہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہو سکیں۔

ایک دفعہ یمنی مہروں سے بھری ہوئی ایک بھیلی آپ کی خدمت میں پیش کی گئی۔ کچھ آزاد عورتیں اور کینزیں حاضر خدمت تھیں۔ آپ نے تمام مہریں موجود عورتوں میں برابر تقسیم فرمادیں^۲۔

۷ نعتِ جگر حضرت فاطمہؑ کو نصیحت۔ رسولِ خدا کی صاحبزادی جناب

فاطمہؑ گھر کا سارا کام خود کرتی تھیں۔ صحت جواب دینے لگی تو ایک کینز کے لئے درخواست کی۔ جناب رسالتؐ نے انکار کر دیا اور فرمایا کہ یہ غریبوں اور مسکینوں

کا حصہ ہے۔ مگر امام حسینؑ اور امام حسینؑ کی پیدائش کے بعد صورتِ حال بدل گئی۔ دونوں بچوں کی پیدائش میں سال سے بھی کم وقفہ تھا اور جناب حسینؑ تو ویسے بھی بہت کمزور تھے۔ چنانچہ اس بار حضرت فاطمہؑ نے کینز کے لئے کہا، تو حضور سرورِ کونینؑ مان گئے۔ اور چھ سال کی ایک بچی عنایت فرمائی جس کا نام فضہؑ تھا اور حبشہ سے آئی تھی۔

تاہم کینز کو جناب فاطمہؑ کے سپرد کرتے ہوئے فرمایا۔ کہ اس کی عمر اور قوتِ کار کا خیال رکھا جائے۔ کام باری سے کریں۔ ایک دن خود اور ایک دن کینز۔ اگر کام زیادہ ہو تو فضہؑ کی مدد کریں، جو خود کھائیں وہ اُسے کھلائیں اور جو خود پہنیں وہ اُسے پہنائیں۔

ذرا غور فرمائیں۔ یہ نصیحتیں اپنی جان سے زیادہ عزیز بیٹی کو کی جا رہی ہیں کیا کوئی ہستی اس سے بڑھ کر غلاموں اور کینزوں کے حقوق کا تحفظ کر سکتی ہے ہرگز نہیں، یہ اعزاز صرف اور صرف جناب سرورِ کونینؑ کو حاصل ہوا۔ جناب فضہؑ کی وفاداری بھی ملاحظہ ہو کہ ساری عمر جناب سیدہؑ کے قدموں میں گزار دی جناب حسینؑ اور حسینؑ انہیں اماں کہہ کر پکارا کرتے تھے۔

✓ شادی شدہ غلاموں اور کینزوں میں علیحدگی کی ممانعت:۔ زمانہ جاہلیہ

میں آقا کو اپنے غلام یا کینز پر پورا اختیار ہوتا تھا۔ اور وہ اُن کے بارے میں جو فیصلہ چاہتے، کرتے تھے، کسی غلام سے خوش ہو جاتے تو کسی کینز کو بکھڑکھڑا دیتے۔

اس کی شادی کر دیتے۔ پھر کبھی کسی بات پر غصہ آتا تو میاں بیوی میں زبردستی علیحدگی کروا دیتے، اور وہ بیچارے دل مسوس کر رہ جاتے تھے۔

ایسا ہی ایک واقعہ عہد رسالت میں پیش آیا تو غلام فریاد لے کر جناب سرور کونین کے حضور پیش ہو گیا۔ آپ کو یہ بات بہت بُری لگی۔ چنانچہ اُسی وقت مسجد نبوی میں اجتماع کیا اور خطبہ دیتے ہوئے فرمایا۔

”غلاموں سے نکاح کرنے کے بعد لوگ علیحدگی کیوں کرانا چاہتے ہیں، نکاح اور طلاق کا حق تو صرف شوہر کو حاصل ہے!“

غلاموں کے اس حق کو تسلیم کر کے رسولِ رحمتؐ نے ان کی سماجی زندگی میں انقلاب برپا کر دیا۔

میرا بندہ نہیں میرا جوان :- زمانے کے رواج کے مطابق غلام کو عبد کہا جاتا تھا۔ جس کے معنی ہیں۔ ”بندہ گویا کہ غلام اپنے آقا کا بندہ ہو۔ غلاموں کو حکم تھا کہ آقاؤں کو ”رب“ کہیں۔ حضور سرور کائناتؐ نے اس ذلت کا خاتمہ کیا۔ آقاؤں کو ہدایت کی کہ غلام کو ”میرا بندہ“ کہنے کی بجائے میرا جوان کہہ کر مخاطب کریں اور غلاموں سے کہا کہ آقاؤں کو ”رب“ کی بجائے مولیٰ (یعنی مالک) کہہ کر پکاریں۔

مقصد یہ تھا کہ غلاموں میں عزت نفس پیدا ہو، اور آقاؤں کی حد سے

بڑھی ہوئی انا قابو میں رہے۔

سسرور کوئین کی وصیت اور غلام (مکینوں کے والی جناب رسالت)

دنیا سے کوچ کرنے لگے، تو بھی اس بے بس مخلوق کا خیال رہا۔ وصیت میں فرمایا
 "نماز پر کاربند رہنا اور اپنے زیر دستوں کے ساتھ بڑا سلوک نہ کرنا"

گو علمائے کرام نے زیر دست سے غلام ہی مراد لیا ہے۔ تاہم اگر ذرا گہرائی
 میں جائیں تو اس لفظ کو بے حد وسیع معنوں میں استعمال کیا جاسکتا ہے۔ زیر دست
 کے لفظی معانی ہیں "ہاتھ کے نیچے" یعنی قابو میں، قبضے میں یا ماتحت، آب گھری
 دیکھیں تو بیوی، شوہر کی زیر دست ہے۔ کارخانے میں مزدور مالک کے

زیر دست ہیں۔ دفتر میں ماتحت، افسر کا زیر دست ہے۔ دیہات میں کسان
 زمیندار کا زیر دست ہے۔ تو گویا زیر دست کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کا
 حکم دے کر رسول رحمت جناب مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امن اور
 انصاف کی تعلیم دی۔ ظلم اور زیادتی سے منع فرمایا۔ صاحب اختیار بندوں پر
 ایک بھاری ذمہ داری ڈال دی۔ انہیں ماتحتوں کے حقوق کا محافظ ہی نہیں
 بلکہ اس سلسلے میں جوابدہ بھی بنا دیا۔ مقصد یہ کہ کسی کی حق تلفی نہ ہو۔

دنیا امن کا گہوارہ بنے۔ انصاف کا بول بالا ہو۔ غریب اور مساکین زندگی
 سے عاجز نہ آجائیں۔ ہر کسی کو اس کا حصہ ملے۔ اور یوں اللہ اور اس کے
 رسول کی رحمت کا منشا پورا ہو۔

حضور اپنے خادموں کے ساتھ

زمانے میں اس بے بس مخلوق کا وقار بلند کرنے کے لئے حضور سرورِ کونین نے ذاتی مثال پیش کی۔ اپنے خادموں کے ساتھ حسن سلوک کا یہ عالم تھا کہ بڑے بڑے قریشی سردار ان کی قسمت پر رشک کرتے۔ جو بھی آپ کی خدمت میں رہا۔ ایسا گرویدہ ہوا، کہ دنیا و مافیہا کو فراموش کر دیا۔ آپ کے نمایاں خادموں میں حضرت زید بن حارثؓ، حضرت انسؓ، حضرت بلالؓ، حضرت سلمانؓ وغیرہ کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ کہنے کو تو وہ خادم تھے۔ لیکن دینی و دنیوی طور پر اس قدر سرفراز ہوئے کہ زمانہ رشک کرتا ہے۔

زید بن حارثؓ۔ حضرت زیدؓ بن حارث قبیلہ بنو کلب سے تعلق رکھتے تھے۔ ایک قبائلی جنگ میں قیدی بن کر فروخت ہوئے تو مقدر کی انتہا تھی کہ اُم المؤمنین حضرت خدیجہؓ کی غلامی نصیب ہوئی۔ ابھی نو عمر تھے، عادات و خصائل کا جوہر کھلا تو حضرت خدیجہؓ نے انہیں رسولِ خداؐ کی خدمت پر مامور کر دیا۔ سرکارِ دو جہانؐ انہیں اولاد کی طرح چاہتے تھے اور بیٹوں ہی کی طرح پرورش کی۔ اس حسن سلوک کا نتیجہ یہ نکلا، کہ زیدؓ سگے والدین کی شفقت اور گھر کا آرام بھول گئے۔

لیکن باپ کو چین کہاں۔ وہ تو اپنے لغتِ جگر کی تلاش میں مارا مارا پھر

رہا تھا۔ جو نہی پتہ چلا تو فدیہ کے طور پر ایک بھاری رقم لے کر حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ رقم آپؐ کے قدموں میں ڈھیر کی اور بیٹے کی واپسی چاہی۔

جناب رسالتؐ نے فرمایا۔ بھئی، روپے پیسے کی کوئی ضرورت نہیں ابھی زیدؑ کو بلاتے ہیں، اس سے پوچھ لیں۔ اگر جانا چاہے تو مجھے کوئی اعتراض نہ ہوگا۔

زیدؑ آئے۔ باپ کو پہچان تو لیا، مگر کہا: بابا۔ میں یہاں سے ہرگز نہیں جاؤں گا۔ مجھے اپنے آقا کی غلامی میں وہ کچھ ملا ہے۔ جس پر ہزاروں آزادیاں

قرمان کی جاسکتی ہیں، اس جواب سے نہ صرف زیدؑ کے باپ کو اچنبھا ہوا

بلکہ حضورؐ بھی بے حد متاثر ہوئے: لڑکے کا ہاتھ پکڑا۔ خانہ کعبہ میں لے آئے

اور اُسے آزاد کرتے ہوئے فرمایا۔ آج سے میں زیدؑ کو اپنا بیٹا بناتا ہوں،

باپ نے رحمت و شفقت کی یہ قراوانی دیکھی تو مطمئن ہوٹ گیا، کہ بیٹا یقیناً

بہتر ہاتھوں میں ہے۔

یہی لڑکا جو ان ہو کہ جلیل القدر صحابی بنا، اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

پر ایمان لانے والے پہلے چار اشخاص میں سے ہونے کا اعزاز پایا۔ نکاح کی

نوبت آئی تو حضورؐ سرکارِ دو جہاں نے اپنی پھوپھی زاد بہن سے بیاہ دیا۔ اور

یہ وہ اعزاز تھا جس پر کوئی بڑے سے بڑا قریشی سردار بھی فخر کر سکتا تھا۔

اسامہ بن زیدؑ۔ جناب زیدؑ کے بیٹے حضرت اسامہؓ سے بھی بے حد

رغبت تھی۔ وہ چھوٹے سے تھے تو گود میں بٹھا لیتے۔ تیار کرتے، صفائی

ضرورت ہوتی تو اپنے دستِ مبارک سے کر دیتے۔ جناب رسالتؐ کی نظر میں حضرت اسامہؓ کے مقام کا اندازہ صرف اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ جب ایک معزز قبیلے کی فاطمہ نامی خاتون چوری کے الزام میں پکڑی جاتی ہے، تو سفارش کے لئے سب کی نظر اسامہؓ پر پڑتی ہے۔ ان کو گمان تھا کہ محبت اور شفقت کے ہاتھوں حضورؐ ان کی بات رد نہیں کریں گے۔

یہی اسامہؓ جوان ہوتے ہیں، تو اسلامی فوج کے سپہ سالار بنے۔ رومیوں کے خلاف جنگ کے لئے ایک سے ایک بڑھ کر اعلیٰ نسب کے قریشی سردار اور صحابہ کبار موجود تھے۔ لیکن عزیزوں کے والی، حضورؐ سرورِ کونینؐ نے یہ عزت اسامہؓ کو بخش کر یہ ثابت کر دیا کہ اللہ کے نزدیک سب برابر ہیں۔ کوئی چھوٹا ہے نہ بڑا۔ رنگ اور نسل کا امتیاز بے معنی باتیں ہیں۔ غلام بھی اتنے ہی اہم ہیں، جتنے کہ آزاد۔ بلکہ وہ تو ان کے بھی سردار ہیں۔ حضرت عمر فاروقؓ کے صاحبزادے کو اچھنچا ہوا، تو باپ نے وہیں وضاحت کر دی۔ فرمایا:

”اسامہؓ تجھ سے اور اس کا باپ میرے باپ سے افضل ہے۔“
سبحان اللہ! تاریخ عالم کو ایک سرے سے دوسرے سرے تک پڑھ جائیے۔ غلاموں اور زیر دستوں کی عزت افزائی کی ایسی مثالیں ڈھونڈے سے نہ ملیں گی۔

حضرت بلالؓ :- حضرت بلالؓ کے نام سے کون واقف نہیں۔ آپ حبشہ

کے رہنے والے تھے۔ اس لحاظ سے حبشی مشہور ہوئے۔ آفتاب رسالت طلوع ہوا تو یہ غلام تھے۔ اسلام قبول کیا تو ظلم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ غلام کا مسلمان ہو جانا مشرک آقا کے لئے ایک چیلنج بن گیا۔ اُسے تو کسی پل چین نہیں آتا تھا۔ جناب بلالؓ سے حق کی راہ چھڑانے کے لئے ہر حربہ استعمال کیا۔ دیکھتے انکاروں پر ٹٹایا۔ تپتی زیت کو آزمایا۔ لیکن زبان کمرہ شہادت کے ورد سے باز نہ آئی۔ ظالم نے زبان کو بھی داغ دیا، تاکہ بولنے کی سکت ہی نہ رہے۔ لیکن حق کی آواز دب نہ سکی۔ ظلم مات کھا گیا۔ حضرت بلالؓ کو آزادی نصیب ہوئی اور جناب رسالتؐ کے مقرب خاص بنے۔

مسجد نبویؐ کے لئے مؤذن کی ضرورت پیش آئی تو نگاہ رسالتؐ اس حبشی غلام، جناب بلالؓ پر گئی۔ زبان کے جلائے جانے کی وجہ سے تلفظ بگڑ گیا تھا۔ بعض لفظوں کی ادائیگی صحیح طور پر نہیں کر سکتے تھے۔ خاص طور پر "ش" کو "س" بولتے، آذان میں اَشْهَدُ کو اَسْهَدُ کہا تو بعض صحابہؓ کو عجیب لگا۔ معاملہ جناب رسالتؐ کے نوٹس میں لایا گیا۔

ساتھ ہی دبی دبی تجویز بھی تھی کہ یہ ذمہ داری کسی صحیح زبان صحابی کو سونپ دی جائے۔ مگر غلاموں کے والی، حضور سرور کائناتؐ نے یہ تجویز رد کر دی اور فرمایا آذان تو بلالؓ ہی دیں گے۔

گویا یہ فیصلہ صادر فرما کر امت پر واضح کر دیا کہ حبشی غلام اعلیٰ نسب کے آزاد صحابہؓ سے کسی طور بھی کم نہیں۔

یہی بلالؓ نکاح کی خواہش کرتے ہیں، تو بڑے بڑے قریشی سردار دعائیں مانگتے ہیں کہ پیغام ان کے ہاں آئے ہر کوئی اس حبشی غلام کو اپنی بہن، بیٹی دینے کے لئے تیار ہے۔ یہ انقلاب کچھ کم تو نہیں ہے۔ یہ وہی لوگ ہیں جو چند سال قبل تک اپنی بیٹیوں کو اس لئے زندہ درگور کر دیتے تھے کہ کوئی ان کا داماد نہ بننے پائے۔

شہیدؓ میں جناب بلالؓ نے وفات پائی تو حضورؐ سرور کونینؑ زار و قطار رونے، غم کی شدت کا یہ عالم تھا کہ ہچکی بندھ گئی۔ ایک صحابی پاس بیٹھے تھے۔ عرض کی۔ یا رسول اللہؐ! یہ کیا فرمایا!

یہ دوست کا دوست کے لئے اظہار محبت ہے۔

صحابہ کرامؓ بھی بے حد مہنوم ہوئے۔ مرحوم کو شاندار الفاظ میں خراج عقیدت پیش کیا گیا۔ حضرت عمر فاروقؓ نے شدت جذبات میں فرمایا۔ لوگو! آج ہمارا آقا دنیا سے اٹھ گیا۔

بات یہیں ختم نہیں ہو جاتی۔ اُس "غلط تلفظ" والے حبشی غلام کی آذان ضرب المثل بن گئی۔ آج بھی کہیں آذان کا ذکر ہو، تو دھیان آذانِ بلال کی طرف خود بخود چلا جاتا ہے۔ آج کے مؤذن اُس غلام سے اپنی نسبت قائم

کہ نے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔

اس سلسلے میں یہاں ایک چھوٹے سے واقعے کا ذکر بے جا نہ ہوگا کہ عالم اسلام کے ایک نامور محقق جناب ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب ^{۱۹۳۲}ء میں انگلستان گئے، تو وہاں ایک مسجد میں نماز پڑھنے کا اتفاق ہوا۔ مؤذن نو مسلم انگریز تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے نام پوچھا تو انہوں نے بڑے فخر سے بلال بتایا۔ وجہ پوچھی تو کہنے لگے کہ نام تو میں کوئی بھی رکھ سکتا تھا۔ لیکن اسلام کے پہلے مؤذن کے نام کی نسبت سے بلال ہی پسند کیا۔ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب ان کے جذبہ ایمانی سے بے حد متاثر ہوئے!

حضرت سلمانؓ۔ جناب رسالتؐ کے خادموں میں حضرت سلمانؓ کا

نام بھی خاصا اہم ہے۔ آپؐ ایران کے علاقے اصفہان کے رہنے والے تھے۔ آباد اجداد آتش پرست تھے۔ لیکن آپؐ اس مذہب سے مطمئن نہ ہوئے۔ آگ کی عبادت کرنا آپؐ کو بہت عجیب لگتا تھا۔ دل میں حق کے لئے تڑپ پیدا ہوئی تو گھر سے نکل گئے۔ علاقوں علاقوں کی خاک چھانی مختلف مذاہب کو قریب سے دیکھا۔ مقصد محض یہ تھا کہ شاید کہیں سے روشنی مل جائے۔ روشنی تو خیر نہ ملی البتہ منبع نور کی خبر مل گئی۔ ایک جگہ سے معلوم ہوا کہ ملک عرب میں ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے اور لوگ دیوانہ وار اس کی طرف لپک رہے ہیں۔

رہے ہیں۔ دل میں شوق سمایا کہ میں بھی کسی طرح سے دربارِ رسالت میں حاضر ہو جاؤں۔ چنانچہ کسی عازمِ حجاز قافلے کی ٹوہ میں رہنے لگے، جلد ہی مراد برآئی۔ پتہ چلا کہ ایک تجارتی قافلہ ملک عرب کی طرف جا رہا ہے۔ فوڑا جا کر سردار سے ملے اور مدعا بیان کیا۔ وہ انہیں اپنے ہمراہ لے جانے پر آمادہ ہو گیا۔ منزلِ مقصود پر پہنچے تو سردار کی نیت بدل گئی اور حضرت سلمانؓ کو ایک غلام کی حیثیت سے مدینہ کے ایک کسان کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ اس کسان کے کھجور کے باغات تھے اور مکہ سے آنے والے راستہ پر واقع تھے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو کسی نہ کسی طرح حضرت سلمانؓ کو بھی پتہ چل گیا۔ موقع ڈھونڈ کر آپ کی خدمت میں حاضری دیا، تو بے چین روح کو قرار آ گیا۔

اسلام قبول کیا اور اپنی ساری داستان جناب رسالتؐ کو کہہ سنائی آپؐ سن کر پریشان ہو گئے۔ اور صحابہؓ کی جانب رخ کر کے فرمایا کہ ہمیں سلمانؓ کی مدد کرنا چاہیے، چنانچہ ملے یہ پایا کہ حضرت سلمانؓ کو ان کے مالک سے آزاد کرایا جائے۔ مالک سے بات کی تو کہنے لگا کہ مساوتنے میں کھجور کے تین سو درخت لگا کر دینا ہوں گے اور دس اوقیہ سونا اس کے علاوہ ہوگا۔ حضرت سلمانؓ نے یہ شرائط سنیں تو پریشان ہو گئے۔ واپس آ کر حضورؐ کو

بتایا تو آپؐ نے تسلی دی اور فرمایا سب ٹھیک ہو جائے گا۔ پھر صحابہؓ کو حضرت سلمانؓ کی مدد کرنے کی ہدایت کی۔ صحابہؓ نے مل کر درخت لگانے کے لئے تین سو گڑھے کھودے، کھودائی کا کام ختم ہوا ہی تھا کہ جناب رسالتؐ تشریف لے آئے اور سب گڑھوں میں پودے اپنے ہاتھوں سے گاڑے۔ صحابہؓ نے چاہا بھی کہ حضورؐ اس قدر مشقت نہ اٹھائیں لیکن آپؐ نہ مانے اور کام ختم کر کے ہی دم لیا۔

ایک شرط پوری ہو گئی، دس اوقیہ سونے کی فراہمی ابھی باقی تھی۔ نماز مغرب کے بعد حضورؐ مسجد نبویؐ میں تشریف فرما تھے کہ ایک اجنبی مرعی کے انڈے کے برابر سونے کی ایک ڈلی لے کر آیا اور جناب رسالتؐ کی خدمت میں ہدیہ کی۔ آپؐ نے ڈلی فوراً حضرت سلمانؓ کے حوالے کی اور فرمایا "جاؤ اپنے مالک کا حساب بے باک کرو"۔ حضرت سلمانؓ نے بہتیرا اصرار کیا کہ یہ ان کی ذمہ داری ہے اور وہ محنت مزدوری کر کے مالک کی شرط پوری کریں گے۔ لیکن آپؐ نہ مانے اور فرمایا نہیں یہ ہماری بھی ذمہ داری ہے۔ چنانچہ یوں حضرت سلمانؓ غلامی کی لعنت سے بھوٹے اور بے عزت و باعزت شہری کی حیثیت سے زندگی بسر کرنے لگے۔

سبحان اللہ! ایک غلام کو آزادی کی نعمت سے مالا مال کرنے کے لئے حضورؐ سرورِ کونینؐ نے کس قدر محنت اور کوشش فرمائی!

حضرت سلمانؓ کا شمار حبیل القدر صحابہؓ میں ہوتا ہے ساری عمر حضور
سردار کائناتؐ کا قُرب رہا۔ اور ان پر حضورؐ کے اعتماد کا یہ عالم تھا کہ بڑے
بڑے صحابہ جناب سلمانؓ کی قسمت پر رشک کرتے۔

غزوہ احزاب میں مسلمانوں نے مدینہ کی حفاظت کے لئے شہر کے گرد
خندق کھودی تھی۔ کھدائی شروع ہوئی تو ہاجرین اور انصار کے مختلف
قبائل نے کام آپس میں بانٹ لیا۔ اور گروپوں کی صورت میں کام کرنے
لگے۔ حضرت سلمانؓ پر دیسی تھے۔ کسی بھی قبیلے نے اپنے گروپ میں شامل نہ
کیا تو اُداس ہو گئے۔ حضورؐ نے پریشان دیکھا تو فرمایا۔ سلمانؓ تم کیوں
گھبراتے ہو۔ تمہارا بھائی اور ساتھی میں ہوں، آؤ دونوں مل کر خندق
کھودتے ہیں۔

سرداروں کے سردار۔ بارگاہ رسالتؐ میں آپ کا مقام مکہ کے رئیسوں
سے کسی طور کم نہ تھا۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت سلمانؓ، حضرت بلالؓ اور
چند دیگر صحابہؓ کسی جگہ جمع تھے کہ ابوسفیانؓ ادھر سے گزرے بڑی شان سے اکڑاڑ
کر چل رہے تھے۔ حضرت سلمانؓ نے دیکھا تو کہا کہ ابھی تک تلوار نے ان کی گردن پر
پوری طرح قابو نہیں پایا۔ جناب بلالؓ نے بھی ان کی بات سے اتفاق کیا۔

حضرت ابوبکرؓ نے سنا تو سمجھایا کہ ابھی ایک قریشی رئیس کے خلاف اس قسم کی

بات نہیں کرنا چاہیے تھی۔ پھر جناب رسالتؐ کی خدمت میں حاضر ہونے کا موقع ملا، تو پورا واقعہ کہہ سنایا۔ آپؐ نے سنا تو چہرے کا رنگ بدل گیا۔ فرمایا: ”ابوبکرؓ کہیں آپؐ نے انہیں ناراض تو نہیں کر دیا، خدا کی قسم! اگر انہیں ناراض کیا تو سمجھو خدا کو ناراض کر دیا۔“

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے یہ سنا تو کانپ اٹھے۔ فوری طور پر جناب سلمانؓ اور جناب بلالؓ کے پاس گئے اور غلطی کی معافی چاہی، جب ان بزرگوں نے واضح کر دیا کہ وہ ناراض نہیں ہیں، تو کہیں جا کر حضرت ابوبکر صدیقؓ کو چین آیا، ذرا حضور سرور کونینؐ کے ہاں غلاموں کا مقام ملاحظہ ہو۔ کہ انہیں قریشی سرداروں سے بھی اونچا مقام بخشا۔ صحابی ہونے کے علاوہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو ابوسفیان کا شمار قریش کے رئیسوں اور سرداروں میں بھی ہوتا تھا۔ مگر دربار رسالتؐ سے مساوات کا وہ درس ملا کہ آقا و غلام کی تیز ختم ہو گئی۔ غلاموں کو یہ حوصلہ بخشا کہ وہ کسی بھی ٹیڑھی گردن والے پر انگلی اٹھا سکیں اور پیران کی عزت نفس کا اس قدر خیال رکھا کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ جیسے جلیل القدر صحابی کو بھی معذرت کرنا پڑی۔

صحابہ کبار کی نظر میں ان غلاموں کا مقام ملاحظہ ہو کہ انہیں سلمانؓ کے بارے میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرمایا کرتے تھے کہ سلمان ہم اہل بیت میں سے ہیں۔

حضرت انسؓ۔ جناب انسؓ بھی حضور رسالتؐ کے خادموں میں

شامل تھے۔ آپ سات برس تک حضورؐ کی خدمت میں رہے۔ مگر آپؐ نے انہیں

بھی ڈانٹا، نہ ہی کبھی یہ پوچھا کہ فلاں کام کیوں یا کیوں نہیں کیا۔

اندازہ فرمائیں۔ سات سال ایک لمبا عرصہ ہے۔ انسان کبھی غصے میں ہوتا

ہے کبھی جذبات میں۔ لیکن اس طویل عرصے میں اپنے خادم کو اُن تک نہ

لہنا، صرف جناب رسالتؐ ہی کی شان ہے۔

احادیث کی کتب میں حضرت انسؓ کی زبانی ایک واقعہ ملتا ہے کہ ایک دفعہ

رسولؐ خداؑ نے مجھے کسی کام سے کہیں جانے کے لئے کہا۔ میں ناسمجھ تھا، کہا کہ

نہیں جاؤں گا۔ یہ کورا سا جواب سُن کر حضورؐ چپکے ہو رہے۔ میں یہ کہہ کر

گھر سے باہر چلا گیا اور کہیں میں مشغول ہو گیا۔

ابھی عقوڑی ہی دیر گزری تھی کہ کسی نے مجھے پیچھے سے گردن سے پکڑ لیا۔ مڑ

کر دیکھا تو جناب رسالتؐ مسکرا رہے تھے۔ فرمایا: "انس! کہیں کافی ہو چکا

جو کام میں نے کہا تھا۔ جاؤ اب کر آؤ۔ چنانچہ میں گیا اور کام کر آیا۔

ذرا سوچنے کی بات ہے کہ کیا آج ہم اپنے ملازموں سے اس قدر تحمل کے ساتھ

پیش آتے ہیں، وہ ذرا سی دیر کر دیں تو ہماری پیشانی پر بل پڑ جاتے ہیں۔ اور

غصے سے پاگل ہو جاتے ہیں۔ ہمیں چاہئے کہ اس معاملہ میں حضورؐ سرورِ کونینؐ

کی مثال سے سبق سیکھیں اور اپنے خادموں اور ملازموں کو اپنی ہی طرح کا گوشت
پوست کا انسان سمجھیں، جو دل رکھتے ہیں اور جذبات بھی۔ اور جن کی ضروریات
اور خواہشات بالکل ہمارے جیسی ہی ہوتی ہیں۔

کنیزیں اچھات المؤمنین نہیں

غلاموں اور کنیزوں سے جن سلوک کی اس سے بڑھ کر مثال کیا ہو سکتی ہے
کہ جناب رسالتؐ کی ازدواجی مطہرات میں بھی تین آزاد کردہ کنیزیں حضرت
جویریہؓ، حضرت مارہہ قبلیہؓ اور جناب صفیہؓ شامل تھیں۔

۱۔ ام المؤمنین حضرت جویریہؓ

جویریہؓ قبلیہ بنی مصطلق کے سردار کی بیٹی تھیں۔ شادی شدہ تھیں کہ غزوہ مرلیسہ
میں شوہر مارا گیا اور خود کنیز کی حیثیت سے مسلمانوں کے ہاتھ لگیں۔ مال غنیمت تقسیم
ہوا تو ثابت بن قیس انصاری کے حصے میں آئیں۔ دل میں آزادی کی خواہش تھی
مالک سے بات کی تو وہ تو اوقیہ سونے کے بدلے میں آزاد کرنے پر رضامند
ہو گیا۔ اب مسئلہ یہ تھا کہ اس قدر سونا کہاں سے آئے۔ حضرت جویریہؓ نے جناب
رسالتؐ کی شفقت و رحمت کے بے شمار قصے سُن رکھے تھے، چنانچہ سیدھی دربار رسالتؐ
میں پہنچیں اور اپنی بتپا لٹا کر مدد چاہی۔ حضورؐ نے فرمایا کیا تمہیں اس سے بہتر کی
خواہش نہیں جویریہؓ نے عرض کی۔ یا رسول اللہ! وہ کیا فرمایا۔ میں رقم بھی

ادا کر دوں اور تمہارے ساتھ نکاح بھی کر لوں" حضرت جویریہؓ کو بھلا اور کیا چاہیے تھا۔ کہاں ایک کینز تھیں اور کہاں اُمّ المؤمنینؓ زوجہ رسولؐ ہونے کا شرف نصیب ہوا۔ خوشی سے پھولے نہ سمائیں اور فوراً ہاں کر دی۔

اس نکاح کا ایک روشن پہلو ملاحظہ ہو کہ یہ بندھن بنو مصطلق کے غلاموں اور کینزوں کے لئے پیغام رحمت ثابت ہوا۔ صحابہؓ نے جب سنا کہ یوں بنو مصطلق کی رسولِ خداؐ سے رشتہ داری ہو گئی ہے تو سبھی نے احتراماً اپنے اپنے حصّے کے غلاموں اور کینزوں کو آزاد کر دیا۔ ایک اندازے کے مطابق یہاں آزادی پانے والے افراد کی تعداد سات سو کے لگ بھگ تھی!

اُمّ المؤمنین حضرت ماریہ قبطیہؓ۔ اسلام کا غلہ بڑھا تو ہمسایہ حکمرانوں کو اپنی فکر پڑ گئی۔ ان میں مصر کے شاہ مقوقس بھی شامل تھے۔ چنانچہ خیر سگالی کے طور پر ۷۷ھ میں ماریہ قبطیہ نامی ایک کینز اور بے شمار تحائف جناب رسالتؐ کی خدمت میں روانہ کئے۔ ابھی راہ میں ہی تھیں کہ اسلام قبول کر لیا اور ایک صاحب ایمان خاتون کی حیثیت سے و بار رسالتؐ میں حاضر ہوئیں۔ حضور سرورِ کونینؐ نے انہیں ازواجِ مطہرات میں شامل کر لیا۔

جناب ماریہ قبطیہؓ سے آپؐ کی شفقت کا یہ عالم تھا کہ جناب عائشہؓ کو رشک پیدا ہو گیا۔ اور اس کا اظہار برملا فرمایا۔ حضورؐ کے صاحبزادےؑ حضرت

ابراہیمؑ آپ ہی کے بطن سے پیدا ہوئے ۱۶؎ میں وفات پائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔

ام المؤمنین حضرت صفیہؓ۔ اس صف میں حضور سرور کونینؐ کی تیسری

زوجہ حضرت صفیہؓ ہیں۔ آپ قبیلہ بنو نظیر کے سردار کی صاحبزادی تھیں اور غزوہ بدر کے بعد حضورؐ کے نکاح میں آئیں۔

حضور سرور کونینؐ نے ساری عمر آپ کا بے حد خیال رکھا۔ ایک دفعہ سفر کے دوران ان کا اونٹ بیمار ہو گیا، تو آپؐ نے اپنی دوسری زوجہ محترمہ جناب زینبؓ سے اونٹ ادھار لے کر انہیں دیا تاکہ سفر میں تکلیف نہ ہو۔

ایک دوسرے موقع پر جناب رسالتؐ نے حضرت صفیہؓ کو بے حد پریشان دیکھا تو وجہ پوچھی۔ پتہ چلا کہ اہبات المؤمنین حضرت عائشہؓ اور زینبؓ نے انہیں طعنہ دیا ہے کہ وہ ایک یہودی کی بیٹی ہونے کی وجہ سے ان کے برابر نہیں ہو سکتیں۔ آپؐ نے حضرت جویریہؓ کو تسلی دی اور فرمایا تمہیں جواب دینا چاہیے تھا کہ ہارونؑ میرے باپ، موسیٰؑ میرے چچا اور محمدؐ میرے شوہر ہیں۔ اس لئے آپؐ مجھ سے افضل کیسے ہو سکتی ہیں؟

غرض آپؐ نے اپنے عمل سے غلام اور آزاد کی تفریق ختم کر دی۔ کنیزوں کو اپنے نکاح میں لے کر انہیں اہبات المؤمنینؓ بنا دیا، اور وہ بھی امت کے لئے

اتنی ہی قابلِ احترام پائیں جتنی کہ کوئی دوسری اعلیٰ نسب آزاد ازواجِ رسولؐ۔
آزاد و غلام اور حسب و نسب کی اس تفریق کو ختم کرنا حضورِ سرورِ کائناتؐ کا ہی
حق ہے۔

نوبت بہ ایں جا رسید۔ غلاموں اور کنیزوں کے بارے میں ان اقدامات اور
تعلیمات کا نتیجہ یہ نکلا کہ یہ بے بس انسان بھی اپنے حقوق کے تحفظ کے لئے شیر
ہو گئے۔ اس سلسلہ میں احادیث کی کتب میں ایک واقع درج ہے کہ
ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کی ایک لونڈی عقیس، بریدہ نام تھا۔ ایک غلام
سے بیاہی ہوئی عقیس۔ آزاد ہوئیں تو اپنے شوہر کے ساتھ رہنے پر آمادہ نہ تھیں
اور نکاح فسخ کر دیا۔ ان کے شوہر کو علیحدگی کا بڑا غم تھا۔ چنانچہ کچھ کھاتے تھے نہ پیتے۔
مسل آہ و زاری کرتے تھے۔ حضورِ سرورِ کونینؐ کو پتہ چلا تو بریدہؓ کو بلا بھیجا۔ فرمایا
اگر شوہر سے علیحدگی اختیار نہ کرتیں تو اچھا تھا۔ عرض کی یا رسول اللہؐ! یہ مشورہ
ہے یا حکم، آپؐ نے فرمایا، مشورہ۔ عرض کی یا رسول اللہؐ! تو پھر میں یہ مشورہ
قبول کرنے سے قاصر ہوں۔

ملاحظہ ہو شہنشاہِ کونینؐ کو ایک کنیز کس قدر بے باکی سے جواب دے رہی
ہے۔ آپؐ کو قطعاً کوئی ملال نہ ہوا، ہوتا بھی کیوں! اس کنیز کو حقوق کا شعور

2۔ فارسی: ترجمہ: نوبت یہاں تک پہنچی

2۔ اسلام کا قانون ہے کہ اگر مالک نے لونڈی کا نکاح کسی غلام سے کر دیا ہو تو آزاد ہونے پر اسے حق
حاصل ہے کہ خواہ نکاح کو برقرار رکھے یا فسخ کر دے یعنی توڑ دے (بخاری)

منجستہ والی ذات بھی تو رحمتہ للعالمین ہی کی تھی۔

اور پھر دیکھنے والوں نے یہ بھی دیکھا کہ صحابی رسول حضرت ابوذر غفاریؓ کو کہیں سے دو عمدہ قسم کی چادریں ملیں۔ تو ایک فوراً اپنے غلام کو دے دی۔ کسی نے دونوں کو ایک جیسی چادریں اوڑھے دیکھا تو تعجب کا اظہار کیا۔ جناب غفاریؓ نے فرمایا۔ اس میں حیران ہونے کی کون سی بات ہے۔ میں نے وہی کیا جس کا حکم سرکار دو جہانؐ نے ہمیں دیا ہے۔

جنگی قیدیوں کی غیر مشروط رہائی

زمانہ قدیم میں غلاموں کی ایک بڑی تعداد جنگی قیدیوں پر مشتمل ہوتی تھی۔ رطائی میں پکڑے جانے والوں کو عام طور پر غلام بنایا جاتا تھا۔ عاندان، قبیلے والے اور کھاتے پیتے قیدی فدیہ ادا کر کے رہا ہو جاتے جبکہ تنہا اور مفلس لوگوں کا کوئی پرسانِ حال نہ ہوتا تھا اور وہ باقی عمر غلامی میں بسر کر دیتے تھے۔ اسلام سے قبل فدیہ کے بغیر قیدیوں کو چھوڑنے کا کوئی تصور نہیں بلکیوں کے والی، جناب رسالتؐ نے جنگی قیدیوں کی بلا معاوضہ آزادی کے رواج کو فروغ دیا۔ اس سلسلہ میں جنگِ حنین کے قیدیوں کی مثال دی جاسکتی ہے۔ دو مشرک قبائل ثقیف اور ہوازن وادی حنین کے گرد و نواح میں آباد تھے۔ مسلمانوں کی مخالفت میں ہمیشہ پیش پیش رہے اور انہیں نقصان پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے، شہر میں فتح مکہ کے بعد حضورؐ

سرورِ کونینؑ نے ان کے خلاف کارروائی کی۔ حنین کے معرکے میں ثقیف اور ہوازن کو شکست ہوئی بہت سارے مالِ غنیمت کے علاوہ چھ ہزار جنگی قیدی بھی مسلمانوں کے ہاتھ لگے، فدیہ ادا کر کے اتنی بڑی تعداد میں قیدیوں کی رہائی ایک مسئلہ تھی۔ دونوں قبائل کے سردار سر جوڑ کو بیٹھے کہ اپنے آدمیوں کی رہائی کی کوئی ترکیب سوچیں۔ فتح مکہ کی مثال ان کے سامنے تھی کہ حضور سرورِ کونینؑ نے کس طرح کمالِ شفقت سے پرانے دشمنوں کو معاف کر دیا تھا۔ چنانچہ طے یہ پایا کہ ثقیف اور ہوازن کے سرداروں کا ایک وفد جناب رسالتؐ کے دربار میں حاضر ہو کر قیدیوں کی رہائی کے لئے درخواست کرے۔

چنانچہ چھ سرداروں کا ایک وفد رحمۃ للعالمینؐ کے حضور پیش ہوا، عرض کی یا رسول اللہؐ! حنین کی جنگ نے ہمیں لاچار کر دیا ہے۔ مال و اسباب سب ختم ہو گئے اور اب قیدیوں کی رہائی کے لئے کچھ بھی پیش نہیں کر سکتے، لہذا درخواست ہے کہ انہیں فی سبیل اللہ رہا فرمادیں۔

آپؐ نے یہ عرضداشت سنی تو فرمایا۔ مجھے اپنے خاندان کے حقے کے قیدیوں پر اختیار ہے۔ لہذا ان سب کو رہا کرتا ہوں۔

جہاں تک دوسرے قیدیوں کا تعلق ہے۔ اس سلسلے میں آپؐ ان کے آقاؤں سے براہِ راست بات کریں۔

جوہنی صحابہؓ کو حضورؐ کے فیصلے کا علم ہوا۔ سب نے اپنے اپنے حقے

کے قیدی بخوشی آزاد کر دیئے۔ یوں دیکھتے ہی دیکھتے چھ ہزار انسانوں کے گلے سے غلامی کا طوق اتر گیا۔ تاریخ کی کتابوں میں درج ہے کہ کچھ صحابہ اپنی بعض معاشی مجبوریوں کی وجہ سے قیدیوں کو مفت میں چھوڑنے کے لئے آمادہ نہ ہوئے۔ ان کی نظر فدیے کی رقم پر تھی جس سے وہ کئی ضروریات پوری کرنے کے منصوبے بنا چکے تھے۔

محسور سرور کائنات کو علم ہوا۔ تو ان لوگوں سے چھ اڈنٹ فی کس کے حساب سے تمام قیدی خرید لئے اور پھر انہیں اللہ کی راہ میں آزاد کر دیا۔

جنگی قیدیوں کے ساتھ اس قدر حسن سلوک کی مثال ہمیں تاریخ عالم میں ڈھونڈے سے نہیں ملے گی۔ زمانہ قدیم کا تو ذکر ہی کیا، ماضی قریب میں ہی جھانک کر دیکھ لیں۔ جنگی قیدیوں سے متعلق بے شمار المناک داستانیں سننے کو ملیں گی۔ روسی برفستان، سائبیریا میں قائم جنگی قیدیوں پر وہ مظالم توڑے گئے کہ داستانِ غم سنانے کے لئے کوئی بھی زندہ نہ بچا، جرمنی میں انہیں کارخانوں میں ایندھن کے طور پر استعمال کیا گیا۔ اسرائیل میں آج بھی ان کے جسموں سے پورا خون پخوڑ کر انسانی بے بسی کا تماشا دیکھا جاتا ہے، بھارت میں پاکستانی قیدیوں کے ساتھ ہوتے والا سلوک تو ابھی کل کی بات ہے۔ ۱۹۷۱ء کے ساتھ مشرقی پاکستان میں پھنس جانے والے کسی قیدی سے پوچھ لیں، اس کی داستانِ غم ختم ہونے کو نہیں آئے گی۔

بلاشبہ کسی دوسرے مذہب میں قیدیوں کے لئے دینِ اسلام جیسی قراخی نہیں۔ اور بے کس انسان کے لئے یہ حسنِ سلوک حضورِ رحمتہ للعالمینؐ کی تعلیمات کا نتیجہ ہے۔

اسلام نے تو انہیں حکومت اور حکمرانی بخشی۔ اس سلسلہ میں تاریخ میں دو بڑی واضح مثالیں ہیں۔ ہندوستان میں ”خاندانِ غلاماں“ کے تمام حکمران بنیادی طور پر غلام تھے اور مصر کے ”مملوک“ حکمران بھی غلاموں کی اولاد تھے۔



بیوتہ باب

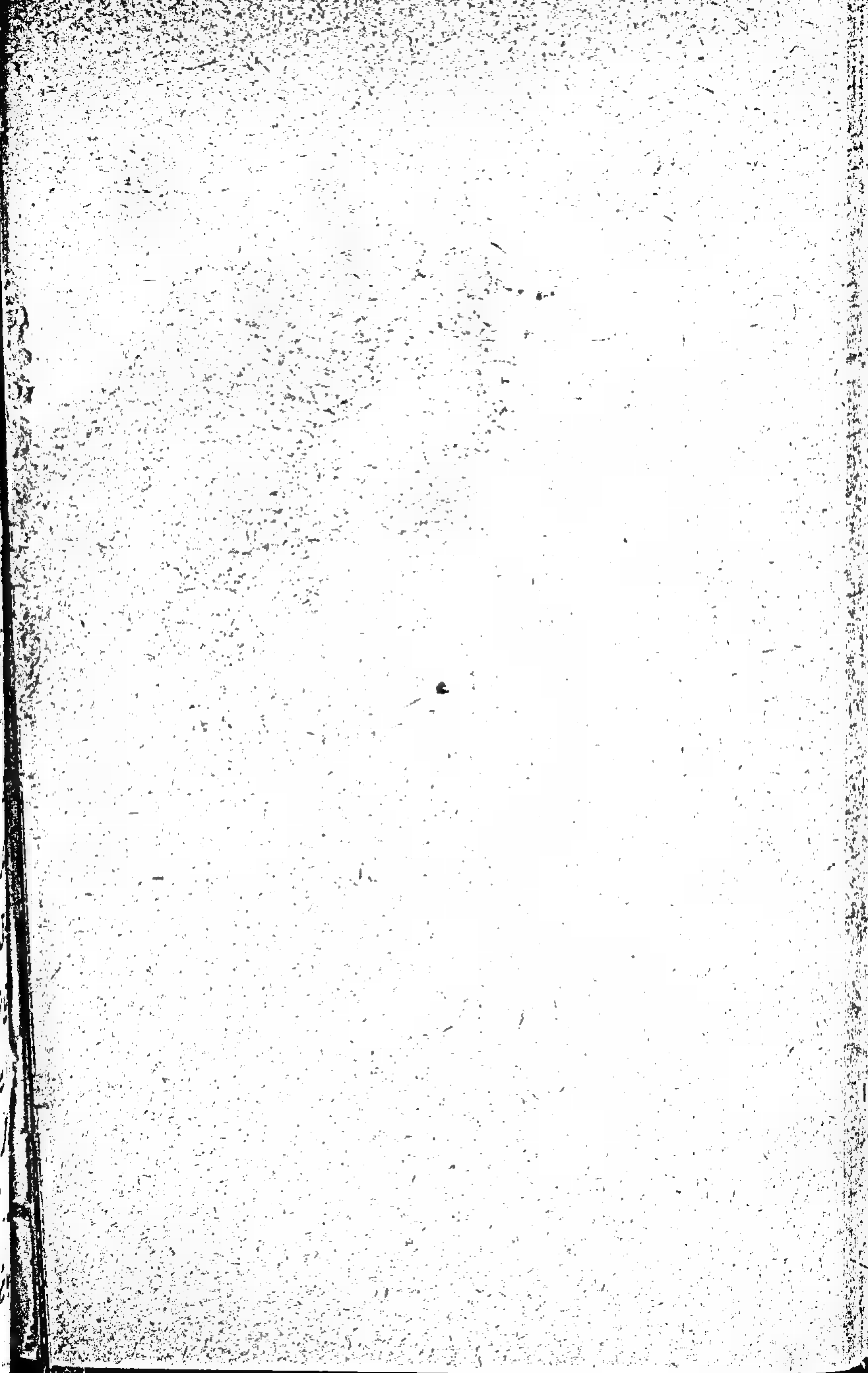
رسولِ رحمت



اہل خانہ

کے لئے





رسولِ رحمتؐ

اہل خانہ کے لئے

تعارف: (بڑے آدمیوں کی زندگی کا جائزہ لیں تو عام طور پر ان کی عوامی اور نجی زندگی میں واضح فرق محسوس ہوگا۔ گھر سے باہر اور گھر کے اندر طرزِ عمل میں زمین، آسمان کا فرق نظر آئے گا۔ باہر بڑی شان و شوکت ہے مگر میں داخل ہوتے ہی انتہائی پستی میں جاگریں گے۔ باہر ہنایت متقی اور ہیزگار نظر آتے ہیں، تو گھر میں سراسر گناہ کی پوٹلی۔ باہر سادگی اور انکساری کی اداکاری کریں گے اور گھر میں دنیا بھر کے تعیشات جمع کر رکھتے ہیں۔ باہر سکراہٹیں بکھرتے پھرتے ہیں اور گھر والوں کے نصیب میں محض گھڑکیاں ہی ہوتی ہیں۔ باہر لوگوں میں آزاد خیال بننے نہیں تھکتے، مگر گھر میں انتہائی قیافہ نویس۔

یہ جائزہ کسی ایک شخص کا نہیں ہے۔ اس قسم کے بے شمار کردار ہمارے ارد گرد بکھرے پڑے ہیں۔ ان کا تعلق کسی خاص طبقہ، گروہ یا پیشہ سے نہیں۔ بلکہ ان میں ہر طبقہ، گروہ اور پیشہ سے تعلق رکھنے والے افراد مل جائیں گے۔ ان میں عوام کے غم میں ہلکان ہونے والے سیاست دان بھی

ہیں، اور پاکبازی کا بادلہ اوڑھے ہوئے، مذہبی اور روحانی پیشوا بھی، ان میں حق اور راستی کا درس دینے والے اساتذہ بھی ہیں اور آپ کی خدمت کا دعویٰ کرنے والے سماجی کارکن بھی۔

اس قسم کے دوہرے کردار کے مالک لوگ محض بہروپے ہیں۔ بلکہ انہیں دھوکا باز کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔ ان کی پسبک اداکاری معصوم لوگوں کو متاثر کرتی ہے۔ وہ نقل کو اصل سمجھ بیٹھتے ہیں۔ ان کی باتوں کے فریب میں اگر وہ سیدھے سادھے لوگ اپنا سب کچھ لٹا بیٹھتے ہیں۔ جب حقیقت کھلتی ہے تو بیچاروں کو بے حد مایوسی ہوتی ہے۔ رہنما اور رہزن کی تمیز نہیں رہتی۔ ایک بے اعتباری کا سماں پیدا ہو جاتا ہے۔ کسی اور پہ اعتبار تو دور کی بات ہے۔ لوگ اپنے سایے کو بھی شک و شبہ کی نظر سے دیکھنے لگتے ہیں، بے شک بے اعتباری کی یہ کیفیت معاشرے کے لئے زہر قاتل کے برابر ہے۔

شاید یہی وجہ ہے کہ دنیا کے سیانوں نے یہ قول گھڑ لیا کہ "کوئی شخص قریبی لوگوں کی نظر میں ہیرو نہیں ہوتا"۔

مگر استثناء ہر جگہ ہوتا ہے۔ ممکن ہے یہ قول سبھی پہ صادق آجائے لیکن حضور سرور کائنات حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس اس کے دائرے سے باہر ہے۔ آپ کی ذات مبارک کو جس نے جتنے قریب سے دیکھا، اتنا ہی زیادہ گردیدہ ہوا۔ ظاہر ایک، باطن ایک، جو گمراہ

کے اندر وہی باہر، محال ہے کہ قدرہ بھر بھی فرق آجائے۔
رسولِ خدا گھر میں: اتم المؤمنین، حضرت عائشہؓ سے کسی نے پوچھا
 کہ رسولِ خداؐ اپنے گھر کیا کیا کرتے تھے۔ فرمایا آپؐ آدمیوں میں سے
 ایک آدمی تھے اور طرزِ عمل ایک عام شخص جیسا ہی ہوتا تھا۔ اپنے
 کپڑوں کی دیکھ بھال خود فرماتے۔ اپنا کام اپنے ہاتھ سے کرتے، جوتے
 پھٹ جاتے تو خود ہی سی لیتے تھے۔ پانی کا ڈول ٹپکنے لگتا، تو اس کی
 مرمت فرما لیتے۔ بوجھ اٹھاتے۔ جانوروں کا دودھ نکالتے اور انہیں
 چارہ ڈالتے۔ آٹا پسولتے، سودا لانے کے لئے بازار جانے میں غار نہیں
 اٹھی۔ ضرورت کی چیزیں گھٹری کی شکل میں باندھ لیتے اور خود اٹھا کر گھراتے
 تھے۔ اپنے گھر کے علاوہ دوسروں کا کام بھی کر دیتے تھے۔ کوئی مشقت کا
 کام ہوتا، تو کسی خادم کو شامل کر لیتے۔ لیکن عام طور پر اپنا کام اپنے ہاتھ
 سے کرتے تھے۔

مصور جیسی نیک اور پاکباز ہستی دنیا میں آج تک پیدا ہوئی ہے اور نہ
 قیامت تک پیدا ہوگی۔ آپؐ کا ہر سانس عبادت اور ہر لمحہ ریاضت تھا۔
 لیکن آپؐ زاہد خشک ہرگز نہ تھے۔ چہرہ مبارک پر ہر وقت مسکراہٹ پھیلی
 رہتی۔ طبیعت میں بشاشت تھی۔ گھر کا ماحول عام گھروں جیسا تھا۔ جہاں خوشیاں
 بھی تھیں، جذبات بھی، بحث مباحث کے مواقع بھی آتے اور گلے شکوے

بھی ہوتے تھے۔ لیکن ایک چیز کا خیال رہے کہ اس گھر میں گناہ کا وجود سے نہیں تھا۔

نمونے کا گھر۔ خانہ رسولؐ میں ہونے والی ایک ایک بات، بے حکمتوں کا خزانہ ہے۔ اس میں امت کے لئے رہنمائی ہے۔ خود علم کر کے بتایا کہ ہم اپنے گھروں میں کیسے رہیں۔ بیویوں سے کیسا سلوک کریں۔ بچوں کے ساتھ شفقت کا کیا انداز ہو۔ عزیزوں، رشتہ داروں کے حقوق کا خیال کیسے رکھا جائے اور ملنے والوں کے ساتھ کیسا رویہ ہونا چاہیے۔ پیارے نبیؐ کے گھر کا ایک ایک لمحہ ہمارے گھر کے لئے روشنی کا مینار ہے،

خاندان کا وجود گھر سے اور معاشرے کا خاندان کے دم سے۔ اچھے گھر اچھے خاندان بناتے ہیں اور اچھے خاندانوں سے اچھا معاشرہ نکلتا پاتا ہے۔ اسلامی معاشرے کے حُسن کی بنیاد اُس نیک تربیت پر ہے جو ایک مسلمان کو اپنے گھر سے ملتی ہے، یہ ہماری خوش بختی ہے۔ ہمارے لئے اچھے گھر کا ماڈل آج سے چودہ سو سال قبل تیار ہو گیا۔ اب ہمیں یہ کوشش کرنا ہے کہ اپنے گھروں کو اس گھر یعنی خانہ رسولؐ کے نمونہ کے مطابق چلائیں۔ اس میں ہماری اخروی نجات ہی نہیں دنیاوی بہتری بھی ہے۔

مغرب کی بد حالی کی وجہ :- مغرب کے پاس ایسا کوئی ماڈل نہیں تھا۔ بیچارے اندھیرے میں ٹامک ٹوٹیاں مارتے رہے۔ ترقی پسندی کے زعم میں، چار دیواری کی حرمت کو بھلا دیا۔ خاندان ٹوٹا، پورا معاشرہ بگاڑ کا شکار ہو گیا، چھوٹوں پہ شفقت نہ رہی، بڑوں کی عزت نہ رہی، عورت عورت نہ رہی، جنس بازار ہو گئی۔ مرد اپنے فرائض بھلا بیٹھا، خاندان کا محافظ بننے کی بجائے، محض تماشا بن گیا۔ اُلٹی باڑی ہی باغیچے کو کھانے لگی،

گھر کی مقدس پناہ گاہ ختم ہوئی، تو کلب، ہوٹل اور جوئے خانے آباد ہو گئے۔ بچوں کا کوئی پُرساں حال نہ رہا، تو جس کا جدِ صر منہ اُٹھا، نکل گیا، نو، نو۔ دس، دس سال کے بچوں نے وہ چاند چڑھائے کہ حیا منہ چھپاتی پھرتی ہے۔ میاں بیوی کا مقدس رشتہ کھیل بن کر رہ گیا۔ طلاق کی وہ بھرمار کہ پانچ میں سے چار شادیاں علیحدگی پر منتج ہوتی ہیں۔ اس بگاڑ سے سب سے زیادہ متاثر عمر رسیدہ افراد ہوئے۔ گھر میں کوئی خبر گیری والا نہ رہا تو "بوڑھوں کے ہوسٹل" سدھارے۔ جہاں وہ سرکار کے سہارے دن گزارتے ہیں۔ مرتے ہیں تو کفن دفن کا انتظام بھی حکومت ہی کر دیتی ہے۔ اپنی اولاد کے لئے

اُن کی حیثیت دودھ کے اُس خالی ڈبے سے زیادہ نہیں ہوتی جسے اُٹھا کر کوڑے کے ڈھیر پر پھینک دیا جاتا ہے۔

مغرب کے اس سماجی عذاب سے محفوظ رہنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ ہم اسلامی اقدار اور بغیر اسلام کی تعلیمات کو اپنائیں۔ نام نہاد ترقی پسندی کے فیشن سے بچیں۔ یقین جانیئے صرف اسی قلعے کے اندر ہی ہم محفوظ و مصون رہ سکتے ہیں۔

اب ذرا اصل موضوع کی طرف آئیے، حضور سرور کائناتؐ اپنے اہل خانہ کے لئے بے حد مشفق، مہربان اور ہمدرد تھے، ام المؤمنین حضرت عائشہؓ سے کسی نے پوچھا کہ رسول خداؐ گھر میں کیسے ہوتے تھے فرمایا:

”اَلَيْنَ النَّاسِ يَسَامًا صَاحِبًا“

ترجمہ: وہ ہم لوگوں کے ساتھ ہمیشہ خوش دلی سے پیش آتے تھے۔

صحیح مسلم میں ہے کہ:

”رسول خداؐ سے بڑھ کر کوئی بھی اپنے اہل و عیال کیلئے شفیق نہ تھا“

حضرت انسؓ سات برس تک جناب رسالتؐ کی خدمت میں رہے، اُن کا بیان ہے کہ میں نے کسی کو اپنے گھر والوں کے ساتھ حضورؐ جتنی محبت کرتے ہوئے نہیں دیکھا،

اس باب کو درج ذیل عنوانات کے تحت بیان کیا جائے گا۔

۱۔ ازواجِ مطہرات کے ساتھ معاشرت۔

■ اولاد کے ساتھ معاشرت۔

■ نواسوں سے لگاؤ۔

۲۔ دیگر رشتہ داروں کے ساتھ معاشرت۔

I۔ ازواجِ مطہرات کے ساتھ معاشرت

حضور سرورِ کونینؐ کو ازواجِ مطہرات سے بے حد محبت تھی۔ ان کے پاس بیٹھتے، اکٹھے بل کر کھاتے، ہنسی مذاق کی باتیں کرتے۔ ان کی سُننے، اپنی سُناتے، کسی کو کوئی شکایت ہوتی، تو رفع فرماتے۔ ان کے نان و نفقہ کا بندوبست کرتے اور اس سلسلے میں حضرت بلالؓ کو ذمہ داری سونپ رکھی تھی۔

سفر میں ازواجِ مطہرات ہمراہ ہوتیں تو بہت خیال رکھتے تھے۔ ایک مرتبہ ہمراہ تھیں۔ سورج غروب ہونے کو آیا، تو ساربان نے اونٹ تیز ہانکنے شروع کر دیئے۔ فرمایا۔

”احتیاط کرو۔ دیکھنا، یہ آگینے ہیں۔ کہیں ٹھیس نہ لگ جائے“

۱۔ ازواجِ مطہرات یعنی پاک بیویاں۔ یہ خطاب بھی جناب رسالتؐ کی بیویوں کے لئے مخصوص ہے۔
۲۔ بخاری۔

اندواجِ مطہرات میں ہر مزاج اور طبیعت کی خواتین تھیں۔ باہمی رنجشیں بھی ہوتیں اور رشک کے مواقع بھی آتے۔ جناب رسالتاً ان کی شکایتیں ٹھنڈے دل سے سننے اور دلائل سے ان کی تسلی فرماتے۔ اس معاملے میں سبھی کو اظہارِ جذبات کی آزادی تھی۔ کسی کی آواز کو بھی سختی سے نہ دبا یا بلکہ تحمل اور بردباری سے غلط فہمیوں کا ازالہ فرمایا۔

مثال کے طور پر ایک مرتبہ اندواجِ مطہرات کو شک گذرا کہ حضور سرورِ کونین حضرت عائشہؓ کی جانب زیادہ راغب ہیں۔ سبھی نے مشورہ کیا اور جناب زینبؓ کو حضورؐ کی خدمت میں شکوہ کے لئے بھیجا۔ آپؐ نے نہایت تحمل سے شکایت سنی اور سب نکات کے مدلل جواب دیے۔ حضرت زینبؓ مطمئن ہوئیں۔ اور جب اندواجِ مطہرات نے جذبات سے ہٹ کر غور کیا تو بھید کھلا کہ ان کی شکایت سرے سے ہی بے بنیاد تھی، جناب رسالتاً کی عائلی زندگی امت کے لئے نمونے کی حیثیت رکھتی ہے۔ آپؐ کو دنیوی بکھیڑوں کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ مگر آپؐ ان ساری منزلوں سے خود اس لئے گذرے تاکہ امت کے لئے مکمل رہنمائی کا سامان ہو جائے۔ کہیں شک و شبہ نہ رہے۔ سب کو پتہ چل جائے کہ گھر کے اندر کیسے رہا جاتا ہے۔ بیوی اور بچوں کے کیا حقوق ہیں۔

سے زائد بیویاں ہوں، تو ان کے درمیان عدل کیسے قائم کیا جاتا ہے۔
ازواجِ مطہرات:- مختلف اوقات میں گیارہ خواتین
 حضور سرورِ کونینؐ کے نکاح میں رہیں۔ پہلا نکاح پچیس برس کی عمر میں
 حضرت خدیجہؓ سے کیا۔ آپ کے صاحبزادے حضرت ابراہیمؑ کے علاوہ

۱۔ اسلام کے دشمنوں کا ایک اعتراض:- اسلام کے بعض دشمن، حضور سرورِ کونینؐ کی بیویوں کی تعداد
 پر اعتراض کرتے ہیں۔ لیکن وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ نبی کوئی کام بھی اللہ کے حکم کے بغیر انجام نہیں دیتے۔ حضورؐ
 کی شادیاں بھی اللہ کے حکم سے تھیں اور ان میں بے پناہ حکمت پوشیدہ ہے دنیا داری کے اعتبار سے دیکھا
 جائے تو لوگ عام طور پر جوانی میں زیادہ شادیاں کرتے ہیں، لیکن آپؐ نے ساری جوانی ایک ہی بیوی (حضرت
 خدیجہؓ) کے ساتھ بسر کر دی۔ اور بیوی بھی وہ جو عمر میں آپؐ سے پندرہ سال بڑی تھی، بیوہ تھی اور پہلے
 شوہر اولاد بھی رکھتی تھی۔ پچیس سال کی رفاقت کے بعد ۱۳۔ نبویؐ میں حضرت خدیجہؓ کا انتقال ہوا تو آنحضرتؐ کی
 عمر مبارک پچاس برس ہو چکی تھی اور چار بیٹیوں کے باپ تھے۔ بیٹیوں کی حفاظت اور پرورش کے لئے کسی خاتون
 کی ضرورت تھی۔ تو جناب رسالتؐ نے ایک پچاس سال کی بیوہ، حضرت سودہؓ سے نکاح کر لیا۔ یہاں یہ
 بات قابلِ ذکر ہے کہ حضرت عائشہؓ اور ربابہؓ قبیلہ کے علاوہ تمام ازواجِ مطہرات بیوہ تھیں۔ حضرت عائشہؓ بے حد
 عالم و فاضل خاتون تھیں۔ عربی زبان اور ادب پر عبور تھا۔ شادی کے وقت کم سن سیتیں اور حضورؐ کی رحلت کے بعد
 لمبا عرصہ زندہ رہیں۔ آپؐ حضور سرورِ کونینؐ کی دو ہزار دو سو دس احادیث کی راوی ہیں۔ حضورؐ کے بعد صحابہ
 آپؐ ہی سے رہنمائی حاصل کرتے تھے۔ تو گویا حضرت عائشہؓ سے نکاح میں مصلحت احادیث کے خزانے کا تحفظ تھا۔
 ان کے علاوہ حضرت حفصہؓ، حضرت ام سلمہؓ، حضرت جویریہؓ، حضرت صفیہؓ، حضرت ام حبیبہؓ، حضرت سیمونہؓ اور حضرت
 ریحانہؓ بھی حضورؐ کے نکاح میں رہیں۔ یہ تمام خواتین بیوہ تھیں۔ حضرت جویریہؓ اور حضرت صفیہؓ تو جنگی قیدی
 کی حیثیت سے مسلمانوں کے قبضے میں آئیں۔ اور حضورؐ کے نکاح میں آنے پر اپنے قبائل کے لئے وسیلہ رحمت
 بنیں۔ اور ان کے قبائل کے قیدیوں کو رہائی حاصل ہو گئی۔ باقی اہباتِ المؤمنین کی اسلام کے لئے بے پناہ خدمات
 تھیں۔ اور بیوگی کے عالم میں انہیں سہارے کی ضرورت تھی۔ حضورؐ نے ان کی اسلامی خدمات کے صلے میں
 ان کی دستگیر فرمائی۔ حضرت زینبؓ بنت جحش سے جناب رسالتؐ کا نکاح ایک سماجی بدعت کے خاتمے کا
 بھی سبب بنا۔ واقعہ یوں ہے کہ حضرت زینبؓ کا پہلا نکاح حضورؐ نے منہ بولے بیٹے حضرت زید بن حارثہؓ
 سے ہوا تھا۔ دونوں میں علیحدگی ہو گئی۔ تو آنحضرتؐ نے اللہ کے حکم سے ان کی ساتھ شادی کر لی۔ دراصل اسلام سے
 قبل منہ بولے بیٹے کو حقیقی بیٹے کے برابر سمجھا جاتا تھا۔ اور جو حرمتیں سنگے بیٹے سے متعلق ہوتی تھیں، وہی
 منہ بولے بیٹے سے بھی۔ البتہ کر لی جاتی تھیں۔ اسلام کا قانون اس کے برعکس ہے۔ چنانچہ رسولِ خداؐ نے یہ
 نکاح کر کے زمانہ جاہلیت کے اس عقیدے کو ہمیشہ کے لئے دفن کر دیا اور یوں اس سلسلے میں تمام
 فکوک و شبہات دور ہو گئے۔ طریقِ حیاتِ اقدس کے دیگر پہلوؤں کی طرح حضور سرورِ کائنات کی عائلی زندگی
 بھی کامل طور پر اللہ کے احکام کے تابع تھی۔ اور بے پناہ حکمتوں سے لبریز ہے۔

ساری اولاد جناب خدیجہؓ کے بطن سے ہوئی۔ اُن کے ساتھ پچیس برس کی رفاقت رہی اور اس دوران دوسری شادی نہیں کی۔

اُمّ المؤمنین حضرت خدیجہؓ۔ اُمّ المؤمنین حضرت خدیجہؓ سے محبت اور

لگاؤ کا یہ عالم تھا کہ ان کی وفات پر لمبا سوگ منایا اور اس سال کو

”عام الحزن“ یعنی غم کا سال کے نام سے یاد کیا۔ ان کی وفات کے بعد یہ

عالم تھا کہ گھر میں کوئی اچھی چیز بکتی یا بکری وغیرہ ذبح کی جاتی، تو ایک

معقول حصّہ تحفہ کے طور پر حضرت خدیجہؓ کی سہیلیوں کے ہاں بھجاتے۔

حضرت خدیجہؓ کی ایک بہن تھیں۔ ہالہ نام تھا۔ اُن کی آواز حضرت خدیجہؓ

سے بہت ملتی تھی۔ بہن کی وفات کے کئی سال بعد حضورؐ کے گھر آئیں۔ تو

دروازے پر کھڑے ہو کر اندر آنے کی اجازت مانگی۔ حضورؐ سرور کو نینا نے

آواز سنی۔ تو پہچان لیا کہ یہ تو ہالہ ہے۔ خدیجہؓ کی بہن، بے تاب ہو گئے

فوراً اٹھے اور مہمان خاتون کو بعد احترام اندر لائے۔

اُمّ المؤمنین حضرت خدیجہؓ سے حضورؐ کی بے پناہ محبت کا اندازہ ایک

اور واقعہ سے بھی لگایا جاسکتا ہے۔ قصہ کچھ یوں ہے کہ رسولِ خداؐ اور حضرت

خدیجہؓ کی بڑی صاحبزادی حضرت زینبؓ کی شادی ہوئی تو جہیز میں اور

چیزوں کے علاوہ عقیق کا ایک ہار بھی تھا۔ مین کا بنا ہوا یہ زیور ایک

عرصے تک حضرت خدیجہؓ کے استعمال میں رہا۔ بیٹی کی شادی ہوئی تو

بطور تحفہ دے دیا۔

حضور نبی اکرمؐ نے نبوت کا اعلان کیا، تو حضرت زینبؓ اسلام لے آئیں مگر ان کے شوہر ابوالعاص بدستور مشرک رہے۔ ابوالعاص نے عزوہ بدر میں کفار کی طرف سے حصہ لیا اور قید ہوئے اس زمانے کے دستور کے مطابق رہائی کے لئے فدیہ کی ضرورت تھی، ان کی گرفتاری کی اطلاع مکہ پہنچی تو حضرت زینبؓ نے اپنے دیور کو وہ یمنی ہار دے کر مدینہ روانہ کیا تاکہ فدیہ میں دے کر ان کے شوہر کو رہا کر دلائے،

ہار جناب رسالتؐ کی خدمت میں پیش کیا گیا، تو فوراً پہچان لیا۔ مرحوم بیوی حضرت خدیجہؓ کی یاد تازہ ہو گئی، بے حد افسردہ ہو گئے۔ صحابہؓ سے فرمایا۔ یہ ہار زینبؓ کی ماں کی نشانی ہے۔ اگر مناسب سمجھو تو اسے لئے بغیر ابوالعاص کو رہا کر دو، صحابہؓ کو بھلا کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ انہوں نے فوری تعمیل کی بعد میں ابوالعاص نے اسلام قبول کر لیا۔

✓ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہؓ: جناب عائشہؓ کے ساتھ ایک ہی برتن میں کھاتے۔ انہیں کے پیالے سے پانی پیتے۔ ان کی سہیلیوں کو خاص طور پر بلواتے تاکہ ان کا دل اداس نہ ہو۔

ایک دفعہ آپؐ حضرت عائشہؓ کے پاس تشریف فرما تھے کہ گلی سے بچوں کا

اسم و اسم

شور سنائی دیا۔ حضورؐ نے اُٹھ کر دیکھا کہ ایک جشن گا رہی ہے اور بچے دائرہ باندھے کھڑے ہیں۔ جناب رسالتؐ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا: "آؤ تم بھی دیکھ لو۔" جناب عائشہؓ آئیں اور حضورؐ کے کندھے پر مٹھوڑی ملک کر کھڑی ہو گئیں۔ یوں آڑ سے تماشا دیکھتی رہیں۔ مٹھوڑی دیر بعد آپؐ نے پوچھا: "عائشہؓ! جی بھر گیا، عرض کی یا رسول اللہؐ! ابھی نہیں۔" آپؐ نے کئی مرتبہ دریافت فرمایا اور بالآخر جب جناب عائشہؓ نے خود کہا تو حضورؐ اندر تشریف لائے۔

اسی طرح ایک دفعہ عید کے موقع پر دو لڑکیاں حضرت عائشہؓ کے پاس بیٹھی بھاث کا گیت گا رہی تھیں۔ حضورؐ بھی تشریف فرما تھے۔ اتنے میں حضرت ابوبکر صدیقؓ آگئے۔ حضرت ابوبکرؓ نے سنا تو ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔ اور کہا یہ شیطان کے باجے ہیں۔ جناب رسالتؐ نے کوئی توجہ نہ فرمائی۔ حضرت ابوبکرؓ نے دوبارہ یہی جملہ دہرایا تو فرمایا:

ابوبکرؓ! اہنیں گانے دو۔ کچھ مدت کہو۔ ہر قوم کا کوئی نہ کوئی خوشی کا دن ہوتا ہے۔ اور آج کا دن ان کے لئے عید ہے^۱۔

ایک دفعہ حضرت عائشہؓ کے ہمراہ سیر کے لئے باہر نکلے تو فرمایا: عائشہؓ!

۱۔ یہ گیت انصار نے جنگ بھاث کے موقع پر جوڑا تھا۔ یہ لڑائی ہجرت سے تین سال قبل مشہور انصاری قبیلوں اوس اور خزرج میں ہوئی تھی۔

۲۔ بخاری و مسلم

اؤ تیز چلنے کا مقابلہ کرتے ہیں۔ دیکھیں کون جیتتا ہے۔ جناب عائشہؓ نسبت جوان اور دُبی پٹی تھیں۔ آگے نکل گئیں۔ اس کے کئی سال بعد پھر ایسے ہی سیر کرتے کرتے فرمایا: چلو آج پھر مقابلہ ہو جائے۔ اب حضرت عائشہؓ کی صحت پہلے جتنی اچھی نہ تھی۔ چنانچہ پیچھے رہ گئیں۔ حضورؐ نے فرمایا: اُس دن کا حساب برابر ہو گیا۔

✓ اُمّ المؤمنین حضرت صفیہؓ۔ آپ ایک یہودی سردار کی بیٹی تھیں۔ قبل اسلام کے بعد حضورؐ کے نکاح میں آئیں۔ آپ ان کا بہت خیال رکھتے تھے۔ اونٹ پر سوار کرانے کے لئے اپنا گھٹا آگے بڑھا دیتے اور جناب صفیہؓ اس پر پاؤں رکھ کر سوار ہو جاتیں۔ ایک مرتبہ حضورؐ کے ہمراہ سوار جا رہی تھیں کہ اونٹ کا پاؤں پھسل گیا۔ حضورؐ اور جناب صفیہؓ زمین پر آ رہے۔ ابو طلحہؓ ہمراہ تھے۔ بھاگ کر آئے تو جناب رسالتؐ نے فرمایا، میری فکر نہ کرو۔ میں ٹھیک ہوں، جلدی سے صفیہؓ کو دیکھو کہ کہیں چوٹ کو نہیں آگئی۔

ایک بار دورانِ سفر جناب صفیہؓ کا اونٹ بیمار پڑ گیا۔ اور ازدواجِ مطہرات بھی ہمراہ تھیں، حضرت زینبؓ کے پاس فالتو اونٹ تھا۔ آپ نے ان سے حضرت صفیہؓ کی سواری کا بندوبست کرنے کو کہا، حضرت زینبؓ نے انکار کیا، تو حضورؐ نے شدید ناراضگی کا اظہار فرمایا۔

اسی طرح ایک اور موقع پر امہات المؤمنین عائشہؓ اور زینبؓ نے حضرت صفیہؓ کو چڑایا کہ تم ہمارے برابر کیسے ہو سکتی ہو۔ ہم رسول خدا کی بیویاں ہی ہیں، قریبی رشتے دار بھی ہیں، حضرت صفیہؓ رونے لگیں۔ حضورؐ کو پتہ چلا تو فرمایا کہ اگر آئندہ ایسی نوبت آئے تو ان سے کہنا کہ تم مجھ سے افضل نہیں ہو سکتیں۔ کیونکہ ہارونؑ میرے باپ، موسیٰؑ میرے چچا اور محمدؐ میرے شوہر ہیں۔

خوش و خرم گھرانہ، خوشگوار فضا

خزیرہ کی لپیٹ۔ جناب رسالتؐ کے گھر کی فضا ہلکی چمکی ہوتی تھی جس میں ہنسی مزاح کے مواقع بھی آتے رہتے تھے۔ مثال کے طور پر ایک دفعہ حضرت عائشہؓ نے خزیرہ تیار کیا۔ یہ عربوں کی مرغوب ڈش تھی۔ گوشت کے قیمے کو پانی میں ابالنے کے بعد اس پر آٹا چھڑکا جاتا اور پھر آگ پر پکایا جاتا تھا۔ کھانا چُنا جا چکا تو حضرت عائشہؓ نے زوجہ رسولؐ حضرت سودہؓ کو بھی دعوت دی، انہوں نے انکار کر دیا۔ حضرت عائشہؓ نے دوبارہ کہا، جناب سودہؓ نہ مائیں۔ تیسری دفعہ حضرت عائشہؓ نے اصرار سے کہا کہ آپ کو کھانا ہوگا۔ حضرت سودہؓ نے اس

مرتبہ بھی انکار کر دیا۔ تو عائشہؓ نے شوخی سے کہا کہ اگر اس دفعہ انکار کیا تو خزیرہ تمہارے منہ پر مل دوں گی۔ حضرت سودہؓ ڈٹی رہیں تو حضرت عائشہؓ نے خزیرہ ہاتھ پر ڈالا اور سچ پچ جناب سودہؓ کے منہ پر مل دیا۔

اس بے تکلفی پر حضورؐ خوب ہنسے اور حضرت سودہؓ کو کہا کہ تم ایسی ہی لیسید عائشہؓ کے منہ پر کرو تاکہ حساب برابر ہو جائے۔ حضرت سودہؓ نے تعمیل کی اور خزیرہ جناب عائشہؓ کے منہ پر لیسپ کر دیا۔ دونوں بیبیوں کی اس نوک جھونک سے حضورؐ بہت محظوظ ہوئے۔

ایک ٹیکھا اندازہ۔ جناب سرور کونینؒ خود بھی ازواجِ مطہرات سے ہنسی مذاق فرماتے۔ ایک دفعہ حضرت ابوبکر صدیقؓ خانہ رسولؐ میں موجود تھے کہ حضرت عائشہؓ نے حضورؐ کے ساتھ شوخی سے بات کی۔ حضرت ابوبکرؓ کو بیٹی کی یہ حرکت اچھی نہ لگی۔ سخت غصے میں آ گئے اور مارنے کو اٹھے۔ جناب رسالتؐ نے معاملے کو سنبھالا۔ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کا غصہ ٹھنڈا کیا۔

حضرت ابوبکرؓ کے جانے کے بعد آپؐ نے جناب عائشہؓ کو مخاطب کیا اور بڑے تیکھے انداز میں فرمایا۔

دیکھا: ہم نے تمہیں اس شخص سے کیسے پچایا؟

اُمّ زرع کی کہانی :- حضور سرورِ کونین کے گھریں روزِ قرہ موضوعات پر بھی باتیں ہوتیں کبھی کوئی گھر کا مسئلہ زیرِ بحث آتا، تو کبھی مسلمانوں کے عام مسائل پر گفتگو ہوتی۔ جناب رسالہ کتاب تمام معاملات میں سرگرمی سے حصہ لیتے اور بعض دفعہ تو اہلِ اہلِ المؤمنین کو کہانیاں بھی سناتے دیتے تھے۔ ایک دفعہ حضرت عائشہؓ کی قرآنِ شریف پر اُمّ زرع کی کہانی سنائی۔ یہ عربی ادب کا مشہور قصہ ہے۔

کہانی کچھ یوں ہے کہ گیارہ ہیلیوں کا آپس میں گہرا پیار تھا۔ اکثر اکٹھی بیٹھتیں اور گپ لگاتیں۔ ایک روز کوئی اور موضوع نہ ملا تو سب نے اپنے اپنے شوہروں پر تبصرے کئے۔ اُمّ زرع نامی خاتون نے اپنے شوہر ابو زرع کا کردار اس قدر خوبصورت انداز میں پیش کیا کہ سب ہیلیاں اس پر رشک کرنے لگیں۔

کہانی سننے کے بعد رسولِ خداؐ نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کیا میں بھی تمہارے لئے ایسا ہی نہیں ہوں جیسا کہ ابو زرع، اُمّ زرع کے لئے تھا، حضرت عائشہؓ نے تصدیق کی اور کہا یا رسول اللہؐ اس سے بھی اچھا کہئے۔
خرافہ کا قصہ :- ایک دوسرے موقع پر حضور سرورِ عالمؐ نے ازدواجِ مطہرات کو ایک اور قصہ سنایا۔ تو ایک بی بی نے کہا کہ یہ کہانی تو خرافہ کے قصوں جیسی ہے۔ اس پر حضورؐ نے پوچھا، کیا آپ کو

خزانہ کے بارے میں کچھ پتہ ہے۔ خواتین نے نفی میں جواب دیا۔۔
تو آپؐ نے بتایا کہ وہ دراصل بنو عذرہ کا ایک آدمی تھا۔ اتفاق سے
جنوں کے ہتھے چڑھ گیا اور لمبے عرصے تک ان کے ساتھ رہا۔ پھر جن
اسے واپس چھوڑ گئے۔ اور اس نے لوگوں کو جنوں کے بارے میں
عجیب و غریب کہانیاں سنائیں!

2۔ اولاد کے ساتھ معاشرت

رسول خدا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی اولاد سے
بھی بے پناہ محبت تھی۔
حضرت زینبؓ۔ آپ رسول خداؐ کی سب سے بڑی صاحبزادی
تھیں۔ ابھی چھوٹی ہی تھیں کہ اپنے خالہ زاد بھائی ابوالعاص سے بیاہی
گئیں۔ حضورؐ نے اعلان نبوت فرمایا تو اپنی والدہ حضرت خدیجہؓ کے
بہراہ اسلام لے آئیں، مگر ان کے شوہر مسلمان نہ ہوئے۔
ہجرت کے بعد حضورؐ اور بہت سے دوسرے مسلمان مدینہ چلے گئے۔
حضرت زینبؓ اپنے شوہر کے ساتھ مکہ میں مقیم رہیں۔ ابوالعاص نے
انار مکہ کی طرف سے غزوہ بدر میں حصہ لیا اور گرفتار کر لئے گئے۔

ان کی گرفتاری کی اطلاع مکے پہنچی تو حضرت زینبؓ نے اپنے دیور کے ہاتھ اپنے جہیز کا ہار بھیجا تاکہ فدیے میں دے کر ان کے شوہر کو رہا کر دلائے۔

ہار جناب رسالتؐ کی خدمت میں پیش کیا گیا، تو فوراً پہچان لیا کہ یہ تو خدیجہؓ کی نشانی ہے۔ جو انہوں نے اپنی پیاری بیٹی کو جہیز میں دیا تھا۔ دونوں عزیز ہستیوں کی یاد نے آپؐ کو افسردہ کر دیا۔ صحابہ سے فرمایا، یہ ہار زینبؓ کی ماں کی نشانی ہے۔ اگر مناسب سمجھو تو اسے قبول لئے بغیر ہی ابو العاص کو رہا کر دو، صحابہؓ کو بھلا کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ حکم کی فوراً تعمیل ہوئی اور ہار حضرت زینبؓ کو واپس کر دیا گیا۔

ابو العاص کو رہائی ملی تو آپؐ نے اس سے وعدہ لیا کہ وہ جاتے ہی حضرت زینبؓ کو مدینہ روانہ کر دے گا۔ ابو العاص مان گیا۔ چنانچہ مکہ پہنچ کر اس نے پہلا کام یہ کیا کہ حضرت زینبؓ کو اپنے بھائی کے ہمراہ چلے سے مدینہ روانہ کر دیا۔ کفار مکہ کو پتہ چلا تو سنت طیش میں آ گئے کچھ لوگ رسول اللہؐ کی بیٹی کی تلاش میں نکلے، اور جلد ہی انہیں آن لیا۔

ستبار ابن اسود نامی ایک مشرک نے آگے بڑھ کر حملہ کیا تو جناب زینبؓ اونٹ سے نیچے گر پڑیں۔ سنت چوٹ آئی۔ جسم کے اندر سے خون آنے لگا۔ بعد میں چھپتے چھپاتے مدینہ پہنچ گئیں۔ کچھ عرصے میں ظاہری زخم

ٹیک ہو گئے، لیکن داعی چوٹ جڑوں کی ٹوں دی۔ اور اسی تلک سے
 شہر میں وفات پائی۔ یوں حضرت زینبؓ کو شہادت کا درجہ نصیب ہوا۔
 جناب سرور کوئٹہ کی ہدایت کے مطابق ازدواجِ مہر نے میت کو
 قفل دیا۔ قبر تیار ہو گئی تو پیاری بیٹی کو اپنے ہاتھوں لحد میں اتارا۔ اور
 اللہ کے حضور دعا کی تیا باری تعالیٰ: زینبؓ کی مشکلات کو آسان کرے
 اور اس کی قبر کی تلک کو کشادگی میں بدل دے۔ قبرستان سے لوٹے تو بید
 قوم تھے۔ فرمایا۔ میری پیاری بیٹی نے میری خاطر بہت اذیتیں برداشت
 کیں۔ اللہ اس کا حامی و ناصر ہو۔

حضرت زینبؓ کی بیٹی امائدہؓ سے بھی بہت پیار تھا۔ نماز کے لئے
 مسجد نبوی میں تشریف لاتے تو وہ اکثر ہمراہ ہوتی تھیں۔ نماز کے دوران
 آپؐ کی پشت پر سوار ہو جاتیں۔ لیکن آپؐ کچھ نہ کہتے!
حضرت رقیہؓ حضرت رقیہؓ حضور سرور کوئٹہ کی دوسری صاحبزادی

تھیں۔ اسلام سے قبل اُن کا نکاح ابولہب کے بیٹے عتبہ سے ہو چکا تھا۔
 لیکن ابھی رخصتی نہیں ہوئی تھی، حضورؐ نے نبوت کا اعلان فرمایا تو
 ابولہب اور اس کی بیوی اُمّ جمیل آپؐ کے سنت دشمن بن گئے۔ اُمّ جمیل
 تو خاص طور پر رسولِ خداؐ سے اپنی نفرت کا اظہار کھلم کھلا کرتی

تھی۔ خاصی امیر خاتون تھی۔ لیکن حضور سرور کونینؐ کو اذیت پہنچانے کے لئے کانٹوں اور جھاڑیوں کا گٹھا اپنے سر پر اٹھا کر لاتی اور آپؐ راہ میں بچھاتی۔ ایک دن ذرا تھک گئی تو سستانے کے لئے ایک پہاڑ پر بیٹھ گئی۔ گٹھا سر پر تھا۔ اتنے میں اللہ کے حکم سے فرشتے نے گٹھا کو کھینچا تو رسی اُپم جھیل کے گلے میں پھنس گئی۔ اور دم گھٹنے سے فرس گئی۔ سورت لب نازل ہوئی۔ تو ابولہب اور اس کی بیوی بہت سٹپٹائے۔ اور پیش نہ گئی تو بیٹے پر زور ڈال کر حضرت رقیہؓ کو طلا دی۔ یوں رسول خداؐ کی بیٹی کی اس اسلام دشمن گھرانے سے جان چھو بعد میں ان کا نکاح حضرت عثمانؓ سے ہوا۔ مکہ میں مسلمانوں کی مظلوم کی انتہا ہو گئی تو حبشہ میں کچھ مسلمانوں نے رسول اللہؐ کی اجازت سے حبشہ کی جانب ہجرت کی۔ ان میں حضرت عثمانؓ اور حضرت رقیہؓ بھی شامل تھے۔ حبشہ کے حالات سازگار تھے۔ چنانچہ وہ ایک عرصے تک وہاں مقیم رہے۔

اُس زمانے میں آمد و رفت اور پیغام رسانی کے ذرائع بے حد محدود ہوتے تھے۔ کافی دنوں تک حبشہ سے کوئی اطلاع نہ آئی۔ جناب رسالتؐ بیٹی کی خیریت جاننے کے لئے بے تاب ہو گئے۔ نہایت حبشہ کی راہ پر لگی رہیں کہ کوئی قاصد وغیرہ آئے تو خیریت کا پتہ چلے۔

روز ایک خاتون حبشہ سے آئیں تو اس سے بیٹی اور داماد کا حال دریافت فرمایا۔ یہ جان کر کہ دونوں بخیریت اور خوش و خرم ہیں، اللہ کا شکر ادا کیا اور فرمایا۔ "خدا ان دونوں پر رحم فرمائے"

حبشہ سے واپسی کے بعد حضرت عثمانؓ اور حضرت رقیہؓ نے کچھ دن مکہ میں گزارے اور پھر ہجرت مکہ کے مدینہ منورہ چلے آئے۔ طویل مہاجرت اور سفر کی تکلیفوں سے جناب رقیہؓ مدینہ پہنچتے ہی بیمار پڑ گئیں۔ طبیعت زیادہ بگڑی تو چار پائی سے اٹھنا محال ہو گیا۔ اسی دوران بدر کا معرکہ پیش آیا۔ حضورؐ لشکر لے کر کفار کے مقابلے کے لئے چلے گئے اور حضرت عثمانؓ کو ان کی تیمارداری کے لئے مدینہ میں چھوڑا۔

حضورؐ کافروں کو شکست دے کر لوٹے ہی تھے کہ حضرت رقیہؓ کے انتقال کی خبر ملی۔ بے حد افسردہ ہو گئے۔ قبر پر تشریف لے گئے۔ دعائے مغفرت کی عورتیں حضرت رقیہؓ کو یاد کر کے روتی تھیں۔ انہیں تسلی دی۔ بہن کو یاد کر کے فاطمہؓ کے آنسو نکل آئے تو حضورؐ سرور کونینؐ نے اپنی چادر سے صاف کئے اور صبر کی تلقین فرمائی۔

حضرت رقیہؓ کی نشانی ان کا ایک بیٹا تھا۔ عبداللہ نام تھا۔ حضورؐ اسے بہت عزیز رکھتے تھے۔ لیکن وہ بھی جلد ہی چل بسے۔ صرف چھ سال کے تھے کہ ایک مرنے والے نے آنکھ میں چوچ مار دی۔ زخم خراب ہو گیا۔ چہرہ پر

درم آگیا اور اسی صدمے سے سہ میں انتقال ہو گیا۔ جناب رسالتؐ نے خود نوا سے کا جنازہ پڑھا۔

حضرت ام کلثومؓ :- آپ جناب رسالتؐ کی تیسری بیٹی تھیں۔ بچپن

میں ہی ابولہب کے دوسرے بیٹے عقیبہ سے نکاح ہو گیا تھا۔ سورۃ لہب کے نازل ہونے پر عقیبہ نے بھی والدین کے کہنے پر حضرت ام کلثومؓ کو طلاق دے دی۔ حضرت رقیہؓ کی طرح ان کی بھی رخصتی نہیں ہوئی تھی۔ سہ میں

حضرت رقیہؓ کے انتقال پر آپ حضرت عثمانؓ سے بیاہی گئیں۔ آپ کے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ وفات تک مدینہ میں رہیں۔ سہ میں انتقال

ہوا۔ نماز جنازہ رسول خداؐ نے خود پڑھائی اور صحابہ کبار نے قبر میں اتارا۔ خادم رسولؐ حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت ام کلثومؓ کو دفن کرنے

کے بعد جناب رسالتؐ بے حد غمگین ہو گئے۔ کافی دیر تک قبر پر بیٹھے ورد و نماز میں مشغول رہے۔ اور اس دوران آنکھوں سے مسلسل آنسو بہتے رہے۔

حضرت فاطمہؓ :- آنحضرتؐ کو اولاد میں سب سے زیادہ محبت حضرت فاطمہؓ سے تھی۔ آپ کے بارے میں حضورؐ کا فرمان ہے

مَسِيدَةُ النِّسَاءِ أَهْلُ الْجَنَّةِ۔

یعنی فاطمہ جنت کی عورتوں کی سردار ہیں۔

۱۔ ابولہب کے ایک بیٹے عتبہ سے آپ کی بڑی بہن حضرت رقیہؓ کا نکاح ہوا تھا۔

ایک مرتبہ آپؐ نے زمین پر چار لکیری کھینچیں۔ پھر صحابہؓ سے پوچھا جانتے ہو یہ کیا ہے۔ انہوں نے عرض کی کہ اللہ اور اس کا رسولؐ ہی بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا۔ یہ فاطمہؓ بنت محمدؐ۔ خدیجہؓ بنت خویلد احصنورؓ کی زوجہ، مریمؓ بنت عمرانؓ و حضرت عیسیٰؑ کی والدہ محترمہ اور آسیہؓ بنت مزاحم (فرعون کی بیوی) ہیں اور انہیں جنت کی عورتوں پر سب سے زیادہ فضیلت حاصل ہے۔

ہجرت مدینہ کے بعد حضرت فاطمہؓ کا نکاح حضرت علیؓ کریم اللہ وجہہ سے ہوا شوہر کا گھر میکے سے کچھ فاصلے پر تھا۔ حصنورؓ کو یہ دوری گوارا نہ ہوئی۔ کوشش کر کے اپنے گھر کے پاس ہی ایک مکان ڈھونڈا اور پیاری بیٹی کو وہاں منتقل کروا لیا۔

حضرت علیؓ کریم اللہ وجہہ حضرت فاطمہؓ کا بہت خیال رکھتے اور حتی الامکان کوشش ہوتی تھی کہ انہیں ان کی طرف سے تکلیف نہ پہنچے۔ لیکن میاں بیوی کا رشتہ ہی ایسا ہے کہ ہزار احتیاط کے باوجود کبھی نہ کبھی ناچاقی ہو ہی جاتی ہے۔ ایسے مواقع پر حصنورؓ سرورِ کونینؓ، حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ دونوں کو سمجھاتے ایک مرتبہ حصنورؓ کو ایسی ہی ایک رنجش کا علم ہوا، تو پریشان ہو گئے۔ اسی وقت اٹھے، بیٹی کے گھر گئے۔ میاں بیوی دونوں کو سمجھایا اور صلح صفائی

کروا کے لوٹے، تو چہرہ مبارک بشاش تھا۔ صحابہؓ نے مسرت کی وجہ پوچھی تو فرمایا:

ایسے دو شخصوں میں صلح کروا کے آیا ہوں جو مجھے بہت پیارے ہیں۔ ایک دفعہ پھر جھگڑا ہوا تو حضرت فاطمہؓ ناراض ہو کر والد بزرگوارؑ کی خدمت میں گئیں اور شوہر کی شکایت کی۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو پتہ چلا تو وہ بھی پیچھے چلے آئے۔ ابھی دروازے سے باہر ہی تھے کہ اندر سے جناب رسالتؐ کی آواز کانوں میں پڑی، جو اپنی بیٹی کو سمجھا رہے تھے کہ میاں، بیوی کے درمیان معمولی معمولی اختلافات کا پیدا ہونا عین فطری ہے۔ اور یہ ضرور نہیں ہے کہ شوہر سب کام بیوی کی مرضی کے مطابق ہی کرے اور اُسے کبھی کچھ نہ کہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے رسول اللہؐ کی یہ نصیحتیں سنیں تو وہیں سے پلٹ آئے اور دل میں عہد کر لیا کہ آئندہ جگہ گوشہ رسولؐ کو شکایت کا موقع نہیں دیں گے۔

اس واقعہ کے بعد ایک دفعہ گھر میں رنجش پیدا ہوئی تو حضرت علی کرم اللہ وجہہؓ منہ سے کچھ نہ بولے۔ چپکے سے اُٹھے اور مسجد میں جا کر لیٹ رہے۔ حضورؐ کو پتہ چلا تو حضرت فاطمہؓ کے گھر تشریف لے گئے انہیں سمجھایا اور

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو منانے کے لئے خود مسجد گئے دیکھا کہ جناب مرتضیٰ عقیقے کے عالم میں فرش پر لیٹے ہوئے ہیں اور جسم مٹی سے آلودہ ہو رہا ہے جناب رسالتاً نے یہ کیفیت دیکھی تو فرمایا:

ابو تراب! یہ کیا حال بنا رکھا ہے۔ چلو اٹھو، گھر چلیں، اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ خاموشی کے ساتھ آپ کے ہمراہ چل دیئے۔

ابو تراب کا مطلب ہے، مٹی کا باپ۔ مٹی سے آلودہ شخص کے لئے اس سے بہتر کلمہ شاید ہی کوئی ہو، اور بعد میں ابو تراب حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی کینیت مشہور ہو گئی۔

حضور سرور کونین کا معمول تھا کہ کہیں سفر پر جانا ہوتا تو سب کو ملنے ملانے کے بعد آخر پر حضرت فاطمہؓ کے گھر تشریف لاتے۔ سفر سے لوٹتے تو سب سے پہلے اپنی بیٹی کے گھر جاتے، گویا جدائی کا عرصہ کم سے کم ہو۔

حضرت فاطمہؓ، ان کے شوہر اور بیٹوں سے جناب رسالتاً کی بے پناہ محبت کا اندازہ اس واقعہ سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت فاطمہؓ حضرت علیؓ، حضرت امام حسنؓ اور حضرت امام حسینؓ کو مخاطب کر کے فرمایا:

تم لوگوں کی جس سے لڑائی ہے، اس سے میری بھی لڑائی ہے اور جس

سے تمہاری صلح، اس سے میری بھی صلح ہے۔

حضرت فاطمہؓ سے خصوصی لگاؤ بخاری کی اس حدیث سے بھی ظاہر ہوتا ہے

فرمایا۔

”فاطمہؓ میرے جگر کا ٹکڑا ہے۔ جس نے اس کو اذیت دی۔ گویا اس نے مجھے

اذیت دی۔ جس نے اُسے دکھ پہنچایا اس نے مجھے بھی پہنچایا۔“

حضرت فاطمہؓ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوتیں تو آپؐ کھڑے ہو کر

استقبال فرماتے۔ پیشانی چومتے اور اپنی نشست پر بٹاتے تھے۔ یہ بھی بیٹی

سے محبت ہی کا تقاضا تھا کہ جنت میں جگہ ہی پاس بلا لیا۔ حضورؐ کی رحلت سے

کچھ وقت پہلے آپؐ سر لانے بیٹھی ہوئی تھیں کہ جناب رسالتمابؐ نے ان کے

کان میں کوئی بات کہی جس سے آپؐ رو دیں۔ پھر کچھ کہا تو آپؐ مسکرانے لگیں۔

بعد میں کسی نے اس کی وجہ پوچھی تو خاتونِ جنتؓ نے فرمایا کہ باباؐ نے اپنی

رحلت کا وقت قریب بتایا تو میری آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اور جب انہوں

نے یہ خوش خبری دی کہ مگر والوں میں سے سب سے پہلے میں ہی اُن سے ملوں گی

تو میں خوش ہو گئی۔ اور واقعی ایسا ہی ہوا حضورؐ کی وفات کو سال بھی نہ

گزر تھا کہ جناب سیدہؓ بھی رحلت فرما گئیں۔

اُمت کی تربیت کے لئے ایک نکتہ:- بیٹی سے محبت کے تقاضے

بلکہ، لیکن دین کے معاملے میں انہیں کبھی رعایت نہ بخشی، بلکہ انہیں واضح طور پر بتا دیا کہ کہیں رسولؐ کی بیٹی ہونے کے گھنٹے میں نہ رہنا۔ نجات چاہتی ہو تو اس کے لئے نیک اعمال کی ضرورت ہے۔ قیامت کے دن محض تقویٰ کام آئے گا۔ اور بیٹی نے بھی اس نصیحت کو پتے باندھا کہ زہد و ریاضت میں دنیا بھر کی عورتوں سے سبقت لے گئیں۔ اور جنت کی خواتین کی سردار قرار پائیں۔ حضرت عائشہؓ کا قول ہے کہ میری آنکھوں نے رسول اللہؐ کے بعد فاطمہؓ سے بہتر کسی کو نہیں دیکھا۔

کسی شخص کو اس سے بہتر سٹیفیکٹ کیا مل سکتا ہے۔

جناب سیدہؓ کی محنت اور جفاکشی کا یہ عالم تھا کہ دین و دنیا کے شہنشاہ کے جگر کاٹکڑا ہونے کے باوجود گھر کا سارا کام خود کرتیں۔ چکی پیسنے سے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے، پانی کی مشک اٹھانے سے کمر پر نشان بن گئے۔ چولہا جھونکنے سے چہرے کی رنگت سیاہ ہو گئی۔ دوسروں کے گھروں میں خادموں کی بھربار دیکھی تو باباؓ سے ایک لونڈی مانگ لی۔ جناب رسالتؐ کا جواب سننے سے تعلق رکھتا ہے۔ فرمایا۔ بیٹی! یہ تو فقیروں اور یتیموں کا حصہ ہے۔ ہمارے لئے دنیا نہیں بلکہ آخرت ہے۔ اللہ کو یاد کرو، دنیا کی تکلیفیں خود بخود بھول جاتیں گی۔ غرض اپنی جان سے زیادہ عزیز بیٹی کو

نوندی نہ دی۔

ذرا ایک اور واقعہ پر بھی توجہ ہو۔ جناب رسالتاً بے سفر سے واپسی پر بیٹی کے گھر جاتے ہیں تو وہ استقبال کے طور پر دروازوں پر پردے ڈال لیتی ہیں، لیکن سرور کو نین کو یہ آن بان پسند نہیں آتی۔ دروازے واپس لوٹ جاتے ہیں۔ بیٹی کو وجہ معلوم ہوتی ہے، تو پردوں کو پھاڑ پھینک دیتی ہیں۔

تو یہ امت کے لئے تربیت کا ایک انداز ہے۔ عمل سے بتایا کہ اولاد کو ٹوٹ کر چاہو۔ لیکن محبت میں اصول قربان نہ ہوں۔ اولاد سے محبت کا انداز یہ نہ ہو کہ اقربا غازی کا شک گذرنے لگے۔ محنت و مشقت مسلمان کی شان ہے۔ اپنی اولاد کو اس سے جی نہ چرانے دو۔ اپنی حیثیت کو بچوں کے ناجائز فائدے کے لئے استعمال نہ کرو۔ انہیں اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے دو۔ اور زندگی کی دوڑ میں، انہیں وہی کچر حاصل کرنے دو، جس کے وہ مستحق ہیں۔

آج کا حال۔ اب ذرا آج کے حالات دیکھیں، کیا ہم اس کسوٹی پر پورا اترتے ہیں۔ جواب یقیناً نفی میں ہے۔ والدین اولاد کو پیار تو ضرور دیتے ہیں لیکن اس کے

۱۔ جیسا کہ تیسرے باب میں بیان کیا جا چکا ہے ۱۰ امام حسنؑ اور امام حسینؑ کی عمروں میں سال سے بھی کم فرق تھا۔ اور حضرت امام حسینؑ ویسے بھی پیدائش کے وقت بہت کمزور تھے۔ چنانچہ جب گھر پر دونوں بچوں کا سنبھالنا مشکل ہو گیا تو حضور سرور کائناتؐ نے ایک کم سن ملازمہ فقہہ نامی دی۔ مگر اس ہدایت کے ساتھ کہ ایک ملازمہ کام کرے گی اور ایک دن جناب سیدہ خود۔

دوسرے تقاضوں کا خیال نہیں رکھتے۔ بے جا لاڈ پیار بچوں کو آوارہ بنادیتا ہے۔ والدین کی بلا ضرورت ناز برداریوں سے بچوں میں محنت اور مقابلے کا جذبہ ختم ہوتا جا رہا ہے۔ وہ ہر موقع پر سہارے ڈھونڈتے ہیں۔ امتحان کے لئے پڑھائی نہیں کریں گے۔ مگر پرچوں کے پیچھے بھاگنے میں کوئی عار نہیں، پاس ہونے اور اچھے نمبر لگوانے کے لئے روپیہ پیسہ، دھونس دھاندلی اور تعلقات، غرضی سب کچھ استعمال کیا جاتا ہے۔ نالائق ہونے کے باوجود، ٹوگری کا پرزہ ہاتھ میں تھامے یہ لوگ نوکریوں کے لئے نکلتے ہیں، تو وہاں بھی پرانے حربے استعمال کرتے ہیں۔ کسی کا باپ یا کوئی اور عزیز رشتے دار اچھے منصب پر ہے، تو نوکری کا دروازہ خود بخود کھل جاتا ہے، اس ساری سجاگ دوڑ میں کتنے مستحقین کا خون ہوتا ہے، یہ کوئی نہیں دیکھتا۔ بس نظر محض اپنے مفاد پر ہوتی ہے۔ تو عزیزو! اسلام اور پیغمبر اسلام کی تعلیمات کا منشا یہ تو نہیں، ہم بھٹک کر کہاں سے کہاں جانگلے ہیں۔ اس پر غور ہی نہیں بلکہ عملی اقدامات کی ضرورت ہے تاکہ صورت حال کی اصلاح ہو سکے۔

صاحبزادوں سے رغبت :- چار بیٹیوں کے علاوہ حضور سرور کونین

جناب قاسمؑ اور جناب ابراہیمؑ کے بھی باپ تھے۔ دونوں بچے کم ہوشی میں

۱۔ جناب خدیجہؑ کے بطن سے پیدا ہوئے۔ ۲۔ حضرت ماریہ قبطیہؑ کے بطن سے پیدا ہوئے۔

ہی وفات پا گئے تھے۔

حضرت قاسمؒ۔ جناب قاسمؒ اولاد میں سب سے بڑے تھے۔ اُن

کی پیدائش پر جناب رسالتؐ بہت خوش ہوئے۔ نام اپنی پسند سے رکھا

اسی نسبت سے آپؐ کی کنیت ابوالقاسم مشہور ہوئی۔ آپؐ کو یہ کنیت

بہت پسند تھی۔ ایک دن بازار سے گزر رہے تھے کہ بیچے سے ابوالقاسم

ابوالقاسمؒ کی آوازیں آئیں۔ پلٹ کر دیکھا تو ایک شخص کسی اور کو پکار رہا

تھا۔ اُس نے حضورؐ سے معذرت کی۔ اس پر جناب سرورؐ کو نینؒ نے فرمایا کہ

آئندہ کوئی یہ کنیت نہ رکھے۔

حضرت ابراہیمؒ۔ جناب ابراہیمؒ حضور سرورؐ دو عالمؐ کی سب سے

چھوٹی اولاد تھے۔ پیدائش کی خبر سن کر بہت مسرور ہوئے۔ ساتویں دن عقیقہ

کیا۔ اور سر اترنے والے بالوں کے برابر چاندی خیرات کی۔ رواج

کے مطابق دودھ پلانے کے لئے ایک انصاری عورت کے سپرد کیا۔ معاون

میں کھجور کے چند درخت عطا فرمائے۔ اس خاتون کا گھر مدینہ سے باہر

اصافی بستی میں تھا۔ حضورؐ بیٹے کو دیکھنے کے لئے خاصا فاصلہ طے کر کے وہاں

تشریف لے جاتے۔ چھوٹا سا گھر تھا۔ اکثر دھوئیں سے بھرا رہتا۔ لیکن آپؐ

وہاں بیٹھتے اور بچے کو گود میں لے کر پیار کرتے۔ پھر اسی صاحبزادے سے

وفات ہوئی، تو حد سے آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ لیکن زبان

کمرہ شکر تھا۔ صحابہؓ نے پوچھا یا رسول اللہؐ یہ کیا؟ فرمایا:
 آنکھیں آنسو بہا رہی ہیں، دل غمزدہ ہو رہا ہے۔ لیکن منہ سے ہم وہی
 کہیں گے، جو خدا کو پسند ہے۔

اس موقع پر آپؐ کی کینز اُم امین چلا چلا کر رونے لگیں تو منع
 فرما دیا۔ اس نے عرض کی یا رسول اللہؐ! آپؐ بھی تو رو رہے ہیں۔
 فرمایا:

یوں (بے آواز) رونا منع نہیں ہے۔ یہ رونا جس رقت کی وجہ سے
 ہے، وہ اللہ کی رحمت ہے۔

3۔ نواسوں سے لگاؤ

اپنے نواسوں حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین سے دلی لگاؤ
 تھا۔ وہ مسجد نبویؐ میں آپؐ کے پاس آ جاتے اور ادھر ادھر
 دوڑتے پھرتے، آپؐ انہیں کچھ نہ کہتے۔ نماز کے دوران کبھی کبھار
 آپؐ کی ٹانگوں میں سے گذر جاتے تو بھی ہرگز نہ ڈانٹتے۔ جمعہ کے
 دن جناب رسالتؐ منبر پر تشریف فرماتے۔ خطبہ شروع ہونے والا
 تھا کہ جناب حسن اور حسین نے کپڑے پہنے تشریف لائے جنور منبر

سے نیچے اتر کر نواسوں کی طرف بڑھے، پیار کیا اور گود میں اٹھا کر پاس بٹھالیا۔

سورج نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔ ایک بدو سردار نے حضورؐ کو پیار سے اپنے نواسوں کو چومتے دیکھا تو سخت حیران ہوا۔ کہنے لگا میرے دس بیٹے ہیں۔ میں نے کبھی کسی کا بوسہ نہیں لیا۔ حضورؐ سرور کونینؑ نے فرمایا یہ کوئی فخر کی بات نہیں۔ یاد رکھو، سورج نہیں کرتا، اس پر رحم نہیں کیا جاتا۔

کمیرے بچے میرے پھول :- نواسوں کو دیکھنے کے لئے حضرت فاطمہؑ کے گھر تشریف لے جاتے۔ تو فرماتے میرے پھولوں کو لاؤ۔ میرے بچوں کو لاؤ۔ جناب حسن اور حسین سامنے آتے تو سینے سے چمٹا لیتے، منہ چومتے اور پیار کرتے۔

حسینؑ لخت بدن رسولؐ: حضرت فاطمہؑ کے لخت جگر، حضرت امام حسینؑ سے بے انتہا پیار تھا۔ جناب حسینؑ کی پیدائش سے پہلے کا واقعہ ہے کہ اہم نفل بنت عباسؑ نے خواب میں دیکھا کہ حضور سرور کونینؑ کے جسم کا ایک ٹکڑا ان کے گھر میں پڑا ہوا ہے۔ عجیب و غریب خواب تھا۔ شدید پریشانی کے عالم میں حضور رسالتؑ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور خواب بیان کیا۔

آپ نے فرمایا پریشان ہونے کی کوئی بات نہیں، یہ تو بہت اچھا شراب ہے۔ فاطمہؓ کے ہاں بیٹا پیدا ہوگا اور تم اسے دودھ پلاؤ گی۔ کچھ عرصے بعد حضرت امام حسینؑ پیدا ہوئے تو دودھ پلانے کا شرف اُمّ نسل کو حاصل ہوا۔ جناب حسینؑ کو جان سے زیادہ عزیز رکھتی تھیں۔ اڑھائی سال کے ہوئے تو دودھ چھڑوا دیا اور بچے کو نانا کے پاس لے گئیں۔ حضورؐ نے نواسے کو گود میں لیا اور بھینچ بھینچ کر پیار کیا۔

اسی دوران بچے نے حضورؐ کے کپڑوں پر پیشاب کر دیا۔ اُمّ فضلؓ نے یہ دیکھا تو پیار سے کمر پر ہلکا سا ہٹو کا دیا کہ یہ کیا کر دیا، جناب رسالتؐ کو برا لگا۔ فرمایا،

”اُمّ فضلؓ! میرے بیٹے سے نرمی بر تو۔ خدا تم پر رحم کرے۔ خدا تمہارے کام سنوارے۔“

اُمّ فضلؓ نے عرض کی یا رسول اللہ! کپڑے اتار دیجئے تاکہ دھو دوں۔ فرمایا، دودھ پیتے بچے کا پیشاب ناپاک نہیں ہوتا، دھونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ صرف پانی چھڑک دینا ہی کافی ہے۔

سوار بھی تو دیکھو: ایک دفعہ امام حسینؑ کو کندھے پر بٹائے لگی سے

لنگر رہے تھے تو کسی نے کہا۔ سبحان اللہ، کیا خوب سواری ہے۔ فرمایا

سوار کو نہیں دیکھتے؟ وہ بھی تو کسی سے کم نہیں۔

اکثر فرماتے تھے۔ حسینؑ میرا ہے اور میں حسینؑ کا ہوں۔ جو حسینؑ کو عزیز رکھتا ہے۔ اُسے خدا بھی عزیز رکھے۔

ایک بار امام حسینؑ آپ کے قدم پر قدم رکھ کر کھڑے تھے۔ آپ نے اوپر اٹھایا۔ اور بوسہ لے کر فرمایا۔

خدایا: میں اس سے محبت رکھتا ہوں، تو بھی رکھ۔

حسینؑ میرا ہے میں اس کا ہوں: ایک روز حضور سرور کائناتؐ کسی کے ہاں دعوت پر جا رہے تھے۔ حضرت امام حسینؑ راستے میں کھیل رہے تھے۔ آپؐ نے دیکھا تو پیٹروں کے بل زمین پر بیٹھ کر پیار سے بازو پھیلا دیئے۔ بچے کو جو شرارت سوچھی تو بھاگ کر آیا اور پاس سے گذر گیا۔ اور یہ حرکت کئی بار دہرائی۔ بالآخر حضورؐ نے پکڑ لیا، سینے سے چمٹایا اور فرمایا۔

حسینؑ میرا ہے میں اس کا ہوں۔

طویل سجدہ: اور پھر وہ واقعہ بھی تو بہت مشہور ہے کہ حضورؐ سب سے پہلے میں تھے اور ننھے حسینؑ آکر کمر پر سوار ہو گئے۔ جناب رسالتؐ سجدہ اہا کر لیا۔ مبادا بچہ گر جائے اور چوٹ آئے۔

عزت کرو، مگر دین کی روح کو نقصان نہ پہنچے۔ عادت

سیرت کی کتابیں ، اولاد سے حضور سرور کونینؐ کی بے پناہ محبت اور شفقت کے بے شمار واقعات سے بھری ہوئی ہیں ، ہم نے انتخاب سے کام لیا ہے ۔ تاہم ان مثالوں سے بھی ایک نہایت مشفق مہربان ، ہمدرد اور رحمدل ہستی کی تصویر ابھرتی ہے ۔ لیکن یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اولاد اور اہل خانہ کے لئے مجتہم رحمت ہونے کے باوجود اصولوں کے معاملے میں ان سے قطعاً رعایت نہیں برتی ۔ اگر کوئی غلط بات دیکھی تو ناپسندیدگی کا اظہار فرمایا اور اس کی فوری اصلاح بھی کر دی ۔

جیسا کہ پچھلے صفحات میں بیان کیا گیا ہے ۔ حضور سرور عالم سفر سے لوٹتے تو سب سے پہلے حضرت فاطمہؓ کے گھر تشریف لے جاتے تھے ۔ ایک مرتبہ جناب فاطمہؓ کو رسول خداؐ کی واپسی کے پروگرام کا پیشگی علم ہو گیا تو استقبال کی خصوصی تیاری کی ۔ دروازے پر رنگین پردے لٹکائے بیٹوں جناب حسنؑ اور حسینؑ کو نئے کپڑے اور چاندی کے کنگن پہنائے حضورؐ حسب معمول بیٹی کے گھر کی جانب بڑھے ۔ گھر کی سچ دھج اور نواسوں کے ہاتھوں میں کنگن دیکھے تو باہر سے لوٹ آئے ۔ جناب فاطمہؓ والد بزرگوارؐ کی ناراضگی کی وجہ سے بھانپ گئیں ۔ چنانچہ فوراً پردے پیار پھیلے اور صاحبزادوں کے ہاتھوں سے کنگن بھی اتار دیئے ۔ بچے کنگن پہن کر خوشی سے پھولے نہیں سما رہے تھے ۔ اب جو ہاتھ

خالی ہوئے، تو آنسو بہانے لگے۔ روتے روتے نانا حضورؐ کے پاس پہنچے تو آپؐ نے گود میں لے کر پیار کیا۔ اور بتایا کہ تمہاری ماں نے اچھا ہی کیا۔ البتہ انہیں بہانے کے لئے ایک صحابی کو بازار بھیجا۔ ہاتھی دانت کے کنگن منگوائے اور فرمایا، لو یہ پہن لو۔

بظاہر یہ ایک معمولی سا واقعہ ہے۔ لیکن ذرا غور کریں تو اس میں بے شمار حکمتیں اور مصلحتیں پوشیدہ ہیں۔ اپنے عمل سے امت کو سکھایا کہ اولاد کو ٹوٹ کر چاہو، لیکن ضابطے اور اصول برقرار رہیں کسی قسم کی بے قاعدگی نہ ہونے پائے۔ دین کو روح کو مٹھیں نہ پہنچے۔

اسلام نے مردوں کو سونے اور چاندی کے زیورات پہننے سے منع کیا ہے۔ لیکن بچوں کو عام طور پر اس حکم سے مستثنیٰ خیال کیا جاتا تھا اور لڑکیوں کے علاوہ لوگ لڑکوں کو بھی سونے، چاندی کے چھوٹے موٹے زیورات پہنا دیا کرتے تھے۔ دوسروں کی دیکھا دیکھی جناب حسن اور حسین نے بھی اظہارِ شوق کیا تو حضرت فاطمہؑ نے ان کی یہ خواہش پوری کر دی۔ جناب رسالتؐ نے اپنے جان سے عزیز تو اسوں کے ہاتھوں سے یوں کنگن اتروا کر سونے اور چاندی کے سلسلے میں دو ٹوک ممانعت فرمادی اور اس حکم پر عمل درآمد اپنے گھر سے شروع کیا۔

ظاہر ہے رسول اللہؐ کا یہ فعل امت کو سبق سکھانے کے لئے تھا کہ بچوں کی محبت میں ناجائز کو جائز اور حرام کو حلال نہ بناؤ۔ آج ان کی جیسی تربیت کر دو گے، کل ویسا ہی پھل ملے گا۔

مگر ہم حضورؐ کی تعلیم کے اس نقطے کو بھلا بیٹھتے ہیں بچوں کے معاملے میں اصول و ضوابط کی پرواہ نہیں کرتے۔ اولاد کے معاملے میں ہر بے قاعدگی کو ”بچہ ہی تو ہے“ کہہ کر ٹال دیتے ہیں۔ یقیناً یہ منشائے دین نہیں ہے۔ اور ہمیں جناب رسالتؐ کی تعلیمات کی روشنی میں اپنے رویے کی اصلاح کرنا ہوگی۔

4 دیگر رشتہ داروں کے ساتھ معاشرت

بیوی بچوں کے علاوہ انسان کے اور بھی عزیز رشتے دار ہوتے ہیں، رشتے کی نوعیت کے مطابق ان کے ساتھ بھی درجہ بدرجہ تعلق رکھنا پڑتا ہے۔ اصطلاح میں انہیں قرابت دار کہتے ہیں، دین اسلام میں قرابت داروں کے حقوق کا بہت خیال رکھا گیا ہے۔ ان کے ساتھ حسن سلوک، احسان نہیں فرض ہے۔ قرآن حکیم کی کم از کم بارہ آیات میں قرابت داروں کے ساتھ نیکی کی تلقین کی گئی ہے۔

سورہ بنی اسرائیل میں ارشاد ہوتا ہے،

وَاتِ ذَا الْقُرْبَىٰ حَقَّهُ

ترجمہ ۱: ہر قربت دار کو اس کا حق ادا کرو۔ (بنی اسرائیل - ۳)

قربت داروں کے ساتھ نیکی کا حکم ہوا،

وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَذِي الْقُرْبَىٰ

ترجمہ ۱: اور ماں باپ اور رشتہ داروں کے ساتھ نیکی کرنا (بقرة - ۱۵)

حنور سرور کوئٹہ نے بھی عزیزوں، رشتہ داروں کے حقوق پر بہت زور

دیا ہے۔ اس سلسلہ میں کئی احادیث ہیں۔ فرمایا: "قربت کا حق ادا نہ کرنا

جنت میں داخل نہیں ہوگا!"

ایک دفعہ ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا، عرض کی یا رسول اللہ!

کوئی ایسا عمل بتائیے کہ نجات پا جاؤں، فرمایا: "خدا کی عبادت کرو، کسی کو

اس کا شریک نہ بٹھراؤ، نماز پڑھو، زکوٰۃ دو اور عزیز رشتہ داروں کا حق

پہنچاؤ۔"

یہ بھی فرمایا کہ حسن سلوک کے معاملے میں اقرباء کے درمیان تفریق نہیں کرنا

چاہیے، سب کے ساتھ نیکی کرو، صلے کی پرواہ کئے بغیر، اگر کوئی نیکی کا جواب

بدی سے دیتا ہے، تو بھی آپ کے حسن سلوک میں کمی نہیں آئی چاہیے۔

عزیز رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک کے بارے میں جناب رسالتؐ نے

ذاتی مثالیں پیش کیں، جس میں سے چند کا ذکر ذیل میں کیا جا رہا ہے۔

✓ 1۔ حضرت ابوطالبؓ : جناب ابوطالبؓ، حضور سرورِ عالمؐ کے چچا تھے۔

والدین اور دادا حضورؐ کی رحلت کے بعد انہیں کے ہاں پرورش پائی۔ چچا کو بھیتے سے بے پناہ محبت تھی۔ انہیں بیٹوں کی طرح پالا پوسا اور ہر ضرورت کا خیال رکھا، جناب رسالتؐ نے بھی پیارے چچا کی فلاح اور بہبود کا قدم قدم پر خیال رکھا۔ بچپن میں چچا کو نیوی اعتبار سے غریب دیکھا، تو کسبِ معاش میں ان کی مدد کی۔ ان کی بکریاں چرائیں، ایندھن اکٹھا کیا پانی ڈھویا، سامانِ تجارت کی تیاری میں مدد کی۔ اپنے پاؤں پر کھڑے ہوئے تو سب سے پہلے چچا کی عیال داری پر نظر گئی۔ اصرار کے باوجود جناب ابوطالبؓ نے مالی معاونت قبول کرنے سے معذرت کر دی تو جناب رسالتؐ نے ان کے بیٹے جناب علیؓ کو اپنے ساتھ ملا لیا، تاکہ چچا کی وضع داری پر بھی حرف نہ آئے اور ان کا کچھ بوجھ بھی ہلکا ہو جائے۔

جناب ابوطالبؓ کا وقتِ آخر قریب آیا، تو حضور سرورِ کونینؐ بے چین ہو گئے۔ مرض کی چچا جان : کلمہ شہادت پڑھ لیں تاکہ خاتمہ اسلام پر ہو۔ رسولِ خداؐ کو گوارا نہ ہوا کہ ان کے پیارے چچا بے دین ہی دنیا سے اٹھ جائیں۔ جناب ابوطالبؓ نے کہا : بیٹے ! میں تجھے برحق سمجھتا ہوں۔ آج سے نہیں ہمیشہ سے۔ مگر

اب جبکہ جان لبوں پہ آگئی ہے، تمہارا کلمہ پڑھ لیا تو اہل قریش طعنہ دیں گے کہ موت سے ڈر گیا۔ حالت زیادہ بگڑ گئی کہنے قبیلے والے بھی جمع تھے۔ جناب عباسؓ نے بھائی کے ہونٹ ہلتے دیکھے تو کان لگا کر سنا۔ اور جناب رسالتؐ کو مخاطب کر کے کہا۔ بھتیجے یہ وہی پڑھ رہے ہیں جو تو انہیں کہہ رہا تھا۔ (واللہ اعلم بالصواب) جناب ابو طالبؓ رحلت فرما گئے۔ تو جناب رسالتؐ کا غم دیدنی تھا اتفاق سے آپؐ کی زوجہ محترمہ جناب خدیجہؓ بھی اُسی سال وفات پا گئیں تو آپؐ نے اس سال کو ہی غم کے سال کا نام دے دیا، تاریخ میں اسے عام الحزن کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

۲۔ حضرت حمزہؓ۔ جناب حمزہؓ بھی حضور سرور کائناتؐ کے چچا تھے۔ ان کے اسلام لانے کا واقعہ اسی کتاب کے پہلے باب میں بیان کیا جا چکا ہے۔ اس میں نکتے کی بات یہ ہے کہ جناب رسالتؐ کو اس بات کی قطعاً کوئی خوشی نہ ہوئی کہ اُن کے چچا نے ابوہل سے بے لیا، بلکہ فرمایا کہ مجھے خوشی تو اس وقت ہوگی، جب آپؐ اسلام لے گئے جناب حمزہؓ مان گئے اور کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گئے۔

گویا رسولِ خداؐ کو یہ گوارا نہ تھا کہ اُن کے محسن چچا زیادہ عرصے تک اسلام کے دائرے سے باہر رہیں۔ ان کے لئے ایمان اور ہدایت کی خواہش

کر کے جناب رسالتاً نے صحیح معنوں میں قرابت کا حق ادا کر دیا۔ کسی کے ساتھ اس سے بڑھ کر اور کیا نیکی ہو سکتی ہے کہ اسے شرک سے نکال کر ایمان کی دولت سے نواز دیا جائے۔

جناب حمزہؑ غزوہ احد میں شہید ہو گئے۔ ابو جہل کی بیوی ہندہ نے نعش کی بے حرمتی کی۔ شہید کا سینہ چاک کر کے کلیجہ نکال اور دانتوں سے چبایا، حضورؐ کو بے حد قلق ہوا۔ مدینہ واپس تشریف لائے تو گھر گھر شہیدوں کا ماتم برپا تھا۔ خواتین اپنے اپنے شہیدوں پر نوحہ کر رہی تھیں۔ یہ دیکھ کر اُن کا دل بھڑایا اور فرمایا "حمزہؑ کا کوئی نوحہ خواں نہیں"

فتح مکہ کے بعد حضرت حمزہؑ کا قاتل وحشی ایمان لے آیا۔ رسول خداؐ نے اپنے عزیز چچا کا قتل معاف کر دیا۔ لیکن وحشی سے فرمایا کہ میرے سامنے نہ آیا کرو۔ تمہیں دیکھ کر چچا یاد آجاتے ہیں۔

3۔ حضرت عباسؑ۔ جناب عباسؑ بھی حضورؐ کے چچا تھے۔

غزوہ بدر تک اسلام قبول نہیں کیا تھا اور جنگ میں کفارِ مکہ کی طرف سے شرکت کی۔ کفار کو شکست ہوئی۔ بہت سے مارے گئے اور کئی ایک قیدی ہوئے۔ قیدی بننے والوں میں حضرت عباسؑ بھی شامل تھے۔ سب کے ہمراہ انہیں بھی ہاتھ پاؤں باندھ کر مدینہ لایا گیا اور مسجد نبوی کے

پاس ایک ادا طے میں ڈال دیئے گئے۔

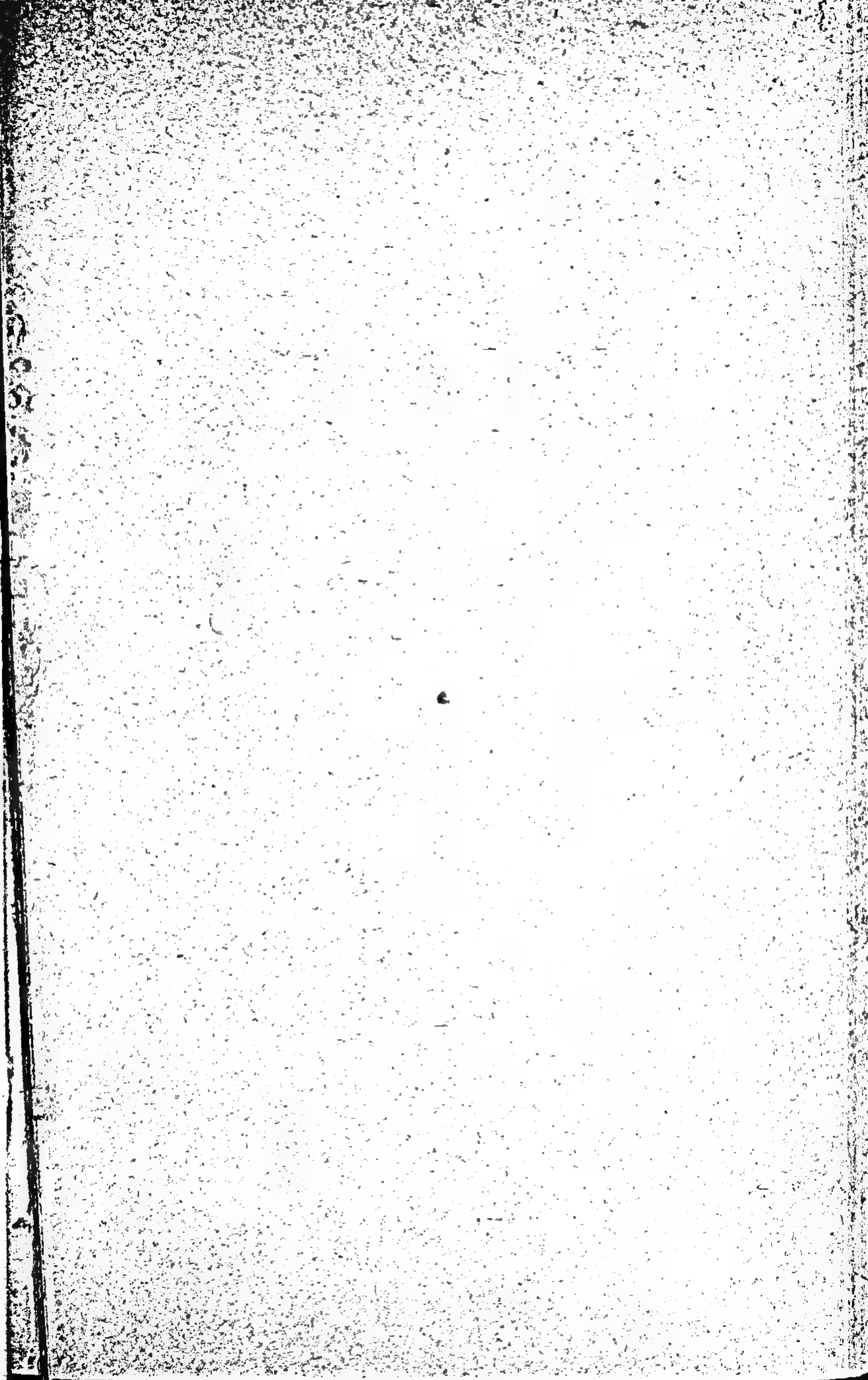
حضرت عباسؓ ناز و نعمت میں پلے ہوئے تھے، قید و بند کی تکلیفوں سے نا آشنا۔ اب جو تجربہ ہوا تو سخت بے چین ہوئے اور کراہنے لگے۔

حضورؐ نے ان کو تکلیف میں دیکھا تو پریشان ہو گئے۔ آخر قریبی رشتہ دار تھے، خون کا تعلق تھا۔ مگر اپنی پریشانی کو کسی پر ظاہر نہیں کیا۔ لیکن صحابہؓ کا بھی آخر رات دن کا ساتھ تھا۔ حضورؐ کو بے کل دیکھا تو معاملہ کی تہہ کو پہنچ گئے۔ چاہا کہ حضرت عباسؓ کی رسیاں ڈھیلی کر دیں تاکہ ان کی تکلیف میں کمی ہو۔ حضورؐ کو پتہ چلا تو منع فرمادیا اور کہا عباسؓ میرے عزیز ہیں، لیکن صرف انہی کو رعایت دینا قرین انصاف نہیں، سب کے ساتھ ایک سا سلوک کرو۔ یا تو سبھی کی رسیاں ڈھیلی کر دو یا سبھی کو ایسے ہی رہنے دو۔ چنانچہ سب کی رسیاں ڈھیلی کر دی گئیں، حضرت عباسؓ کی تکلیف کم ہوئی تو جناب رسالتؐ کو بھی چین آیا۔

ان ذاتی مثالوں کا مقصد امت کی تربیت تھا۔ کہ انہیں عزیز و اقرباء کے ساتھ حسن سلوک کے لئے آمادہ کیا جائے۔ لوگ اپنی ذات کے حصار میں ہی قید ہو کر نہ رہ جائیں بلکہ اپنے عزیز رشتہ داروں کا بھی خیال رکھیں۔

ان کے دُکھ، مُکھ میں شریک ہوں۔ ان کے مصائب و مسائل کو سمجھائیں۔
انہیں تحفظ کا احساس دلائیں۔

نفسا نفسی کے اس زمانے میں تو رسول اللہؐ کی ان تعلیمات کی اہمیت اور بڑھ
گئی ہے۔ آج مادیت کا زمانہ ہے۔ پرانی وضع داریاں ختم ہو رہی ہیں۔
رشتوں کی پہچان کا رواج نہیں رہا۔ اور رشتے تو رہے ایک طرف، بھائی،
بھائی کے لئے اجنبی ہو رہا ہے۔ صرف دولت کا چلن ہے۔ سبھی اس کے
پیچھے دیوانے ہو رہے ہیں۔ سبھی اس سے رشتہ جوڑنے کی فکر میں ہیں۔
معاشرے کی اس ٹوٹ پھوٹ سے، انسان تنہا رہ گیا ہے۔ ایک دوسرے
سے لاتعلقی۔ بے یار و مددگار۔ خوف و ہراس کا شکار۔ انسان اور معاشرے
کو مکمل تباہی سے بچانے کے لئے ضروری ہے کہ ہم دین اسلام کی طرف
پلیٹیں، اس کی تعلیمات پر عمل کریں۔ اہل قرابت ہی کے بارے میں اسلام
کے احکامات پر عمل کرنے سے دنیا جنت کا نمونہ بن سکتی ہے، جہاں ہر کوئی
ہر کسی کا خیر خواہ ہوگا، جہاں ایک کی تکلیف سب کی تکلیف ہوگی۔ پھر یہ
دنیا انسانوں کا ہجوم نہیں، بلکہ ایک خوش و خرم اور خوش حال گھرانے کی مانند ہوگی
جبھی جناب رسالتؐ، حضور سرور کونینؐ کی بعثت کا مدعا پورا ہوگا۔ تبھی آپؐ
کے ”رحمت العالمین“ ہونے کا راز سمجھ میں آئے گا۔



پانچواں باب

رسولِ رحمتؐ



چالوڑوں

کے لئے



رسول رحمت

✓ جانوروں کے لئے

تعارف :- جناب رسالتاب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات بابرکات تمام جانوں کے لئے رحمت ہے۔ حضور تمام زمانوں کے لئے رحمت ہیں۔ تمام انسانوں کے لئے رحمت ہیں۔ یہی نہیں، آپ کی رحمت کا سایہ تو حیوانوں پر بھی ہے۔ روئے زمین طرح طرح کے حیوانوں اور جانوروں سے بھری ہوئی ہے۔ کہیں بار برداری اور سواری کے لئے اونٹ، گھوڑے ہیں، تو کہیں بہم پہنچانے کے لئے گائے، بھینس اور بھیڑ بکریوں کے ریوڑ ہیں۔ کہیں ہرن جیسے بھولے کھالے اور معصوم جانور ہیں تو کہیں بھیڑیے اور چلتے جیسے عیار اور خونخوار درندے موجود ہیں۔ کہیں جیونٹی جیسی کمزور مخلوق تو کہیں پہاڑ جیسے جسم والے ماحقی اور گینڈے ہیں۔ بہر فضاؤں میں اڑتے پھرتے پرندوں کا تو کوئی شمار ہی نہیں۔ ان میں بھی چڑیا سے لے کر عقاب تک گونا گوں جسامتوں اور عادات و خصائل واسے پرندے ہیں۔

انسان اشرف المخلوقات ہے۔ دنیا کی دیگر مخلوقات اس سے کتر ہیں۔

یہ ایک بہت بڑا اعزاز ہے۔ اسی اعزاز کی وجہ سے وہ حیوانوں اور جانوروں پر حکومت کرتا ہے اور ان سے خدمت لیتا ہے۔ لیکن اسے ناسمجھی کہیے یا لالچ یا کچھ اور کہ وہ اس اعزاز کا اکثر ناجائز فائدہ اٹھاتا ہے۔ جانوروں کو ہی لیں، مناسب خدمت لینے کی بجائے ان پر ظلم ڈھاتا ہے۔

قدیم عرب، غلط رواج اور اصلاح

یوں تو جانوروں کے ساتھ ظلم و زیادتی کا رواج ہر قوم غلطے اور ہر زمانے میں رہا ہے۔ تاہم قدیم عرب اس معاملے میں حد سے زیادہ بڑھے ہوئے تھے۔ بے زبانوں کو بے انتہا اذیتیں پہنچانا اور جان سے مار دینا معمولی بات سمجھی جاتی تھی۔

سیاہندہ کرنے کا رواج :- لڑکوں بالوں نے نشانہ پختہ

بنانے کا عجیب طریقہ اختیار کر رکھا تھا۔ بھیڑ کے بچے یا مرغی کو کسی سے باندھ کر زمین پر ڈال دیتے اور تیر سے نشانہ لگاتے جس کا تیر جانور کو لگ جاتا، خوشی سے پھولے نہ سماتا تھا۔ ادھر جانور کی تڑپ، ادھر انسانوں کا رقص، ایک عجیب تماشا ہوتا تھا۔ جانور تیر پہ تیر کھا کر مر جاتا تو اس کے گوشت سے دعوت اُڑائی جاتی تھی۔

حضور سرور کونین نے نشانہ بازی کے اس ظالمانہ طریقے کو سخت ناپسند فرمایا اور یوں مارے گئے جانوروں کے گوشت کو حرام قرار دیا۔ ایک روز حضرت عبداللہ بن عمرؓ مدینہ کی ایک گلی سے گزر رہے تھے کہ ایک جگہ ہجوم سا دیکھا۔ قریب گئے تو پتہ چلا کہ چند لڑکوں نے ایک مرغی باندھ رکھی ہے۔ اور تیر اندازی کر رہے ہیں۔ آپ نے آگے بڑھ کر مرغی کھول دی اور لڑکوں کو پکڑ کر ان کے والدین کے پاس لے گئے فرمایا آپ اپنے بچوں کو سمجھاتے کیوں نہیں، کیا آپ نہیں جانتے کہ حضور سرور کائناتؐ نے یوں جانوروں کو ہلاک کرنے سے منع فرمایا ہے۔ زندہ گوشت کاٹنے کا رواج۔ عربوں میں ایک اور بُری رسم تھی کہ زندہ جانور کے جسم سے گوشت کاٹ لیتے تھے۔ خاص طور پر اونٹ کی کوبان اور دنبے کی چُکّی کاٹ کر امگ کر لیتے اور بھون کر کھا جاتے تھے۔ ان جانوروں کے جسم سے یوں چوری گوشت کاٹنے کی وارداتیں عام ہوتی تھیں۔ جسم کا ایک حصہ کٹ جانے سے جانور ناکارہ ہو جاتے۔ کچھ کھاتے نہ پیتے اور اکثر اسی صدمہ سے جان دے دیتے تھے۔

جناب رسالتؐ نے جانوروں کو یوں اذیت دینے سے منع کیا اور فرمایا کہ اس طرح جانوروں کے جسم سے کاٹا جانے والا گوشت مردار کے برابر ہے۔

۱۔ اونٹوں کے قتل کا مقابلہ :- سبقت اور برتری کا جذبہ انسانی فطرت میں شامل ہے۔ ہر کوئی دوسروں سے نمایاں نظر آنے کی کوشش کرتا ہے۔ اس سلسلے میں عربوں کے اپنے ہی طریقے تھے۔ جن میں ایک یہ بھی تھا کہ دو مختلف افراد یا قبائل میں جانور ذبح کرنے کا مقابلہ ہوتا۔ ایسے مقابلوں کو باتا و جاشن کی شکل دی جاتی تھی۔ عوام الناس کے لئے دعوت عام ہوتی تھی۔ دونوں پارٹیاں اپنے اپنے اونٹوں کے ریوڑ لے کر ایک میدان میں پہنچ جاتیں، ادھر سے ایک شخص تلوار لے کر نکلتا اور اپنے ایک اونٹ کی گردن کاٹ دیتا۔ ادھر سے دوسرا اٹھتا اور جواباً اپنا ایک اونٹ ہلاک کر دیتا۔ جانور بے جان ہو کر گرتا تو نعرہ ہائے تحسین بلند ہوتے۔ یوں جانور کٹتے جاتے اور تماشا ٹی گوشت بھون بھون کر کھاتے جاتے۔ جس پارٹی کے جانور پہلے ختم ہو جاتے اُسے شکست قبول کرنا پڑتی تھی۔

قدیم عربی شاعری میں ایسے کئی مقابلوں کا ذکر ملتا ہے۔ شعرا حضرات جیتنے والوں کے بہت و حوصلے کی داد دیتے اور ہارنے والوں کا حوصلہ بندھاتے تھے۔ ایسے جیشنوں میں سینکڑوں جانور جان گتواتے اور بے فکر خوب جی بھر کر دعوتیں اڑاتے۔ افسوسناک پہلو یہ ہے کہ جانوروں کی یوں ہلاکت کو فیاضی اور سبھادت خیال کیا جاتا تھا اور ان مقابلوں میں حصہ لینے والوں کے چرچے عرصے تک لوگوں کی زبان پر رہتے تھے۔

جناب رسالتاً نے اس رسم بد سے سخت ناپسندیدگی کا اظہار کیا اور فرمایا کہ کسی جانور کو بلا ضرورت ہلاک کرنا بہت بڑا گناہ ہے۔

سوار کے ساتھ سواری بھی ختم ہے۔ بیساکہ ہم کھیلے صفحات میں بیان

رہ چکے ہیں کہ ہندوستان میں سستی کا رواج تھا یعنی شوہر کی موت پر بیوی بھی چیتا میں جل مرتی۔ اور اگر وہ بخوشی اس کے لئے تیار نہ ہوتی، تو زبردستی

وفات کے حوالے کر دیا جاتا تھا، عربوں میں خیر بیوی کو تو شوہر کے مرنے پر یوں ہلاک نہیں کیا جاتا تھا، مگر مرنے والے کی سواری کو جان سے ہاتھ

نزور دھونا پڑتے تھے۔ اس کی تفصیل یوں ہے۔ اگر کوئی شخص مرجاتا تو اس کی سواری کے جانور یعنی اونٹ وغیرہ کو بھی قبر پر باندھ آتے تھے۔ اُسے چارہ

دیتے نہ پانی اور نہ ہی موسم کی شدت سے بچاتے۔ اور یوں وہ سوکھ سوکھ کر مرجاتا۔ بیچارہ جانور کب تک پیاس کی شدت سے بلبلا تا تو اطمینان کا سانس

لیتے کہ مرحوم کی روح کو ثواب مل رہا ہے ان کا عقیدہ تھا کہ یہ سواری مرنے کے بعد پھر سے مرحوم کے استعمال میں آئے گی۔

حضرت رحمت للعالمینؐ نے جانوروں کو یوں ہلاک کرنے سے منع فرمایا اور بتایا کہ انسان کی نجات نیک کاموں سے ہوتی ہے نہ کہ یوں بے زبان جانوروں کو ہلاک کرنے سے۔

بلا ضرورت ذبحہ کی ممانعت ہے۔ ایک دفعہ جناب رسالتاً کے

پس کچھ صحابہ بیٹھے تھے کہ جانوروں کے ساتھ محبت و شفقت کی بات شروع ہوگئی۔ آپؐ نے فرمایا کہ ”اگر کسی نے چڑیا یا اس سے بھی چھوٹے جانور کو اس کے حق کے بغیر ذبح کیا تو اللہ تبارک و تعالیٰ باز پرس کریں گے“ بات صحابہ کی سمجھ میں نہ آئی تو پوچھا یا رسول اللہ! جانور کے حق سے کیا مراد ہے فرمایا: ”یہ کہ اس کو ذبح کرے اور کھائے یہ نہیں کہ گردن کاٹ کر پھینک دے۔“

ایک اور موقع پر فرمایا کہ:-
”جو شخص ایک چڑیا کو بھی بغیر ضرورت کے مارے گا، تو وہ قیامت کے دن اللہ کے حضور فریاد کرے گی کہ فلاں نے مجھے بلا ضرورت مارا حالانکہ اس میں اس کا کوئی فائدہ نہ تھا!“
پس ثابت ہوا کہ جانور کو محض کھانے کی غرض سے ذبح کرنا جائز ہے شکار ہلاک کرنا سنت گناہ ہے۔

مگر ہمارے بعض دوست اس بات کو ذہن میں نہیں رکھتے گلے یہ غلیل لٹکائے یا ایئر گن لے کر شکار پر نکل جاتے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے پرندوں کو نشانہ بناتے ہیں، اور اکثر اوقات یوں ہوتا ہے کہ جانور ہرگز ہو کہ نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ شکاری کے ہاتھ بھی نہ لگا اور اڑنے کے قابل

بھی نہ رہا۔ اور یوں نہایت اذیت میں جان گزادی۔
 ہمارے پیارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پتھر یا غلیل
 سے شکار کرنے سے منع فرمایا اور بتایا کہ اس طریقے سے جانور نے شکار
 تو کیا ہونا ہے البتہ زخمی ضرور ہو جاتا ہے۔

۱۔ بخاری۔
 مغل شہزادے کا واقعہ۔ یہاں پر کھلنڈرے لڑکوں کی عبرت کے لئے ایک تاریخی واقعہ کا
 ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے۔

مغلوں نے ہندوستان پر تین سو سال سے زائد عرصہ تک حکومت کی۔ شروع شروع میں تو
 مغل بادشاہ اور شہزادے بڑے بہادر، دلیر اور محنتی تھے، لیکن آہستہ آہستہ آرام پسند ہو گئے۔ حکومت
 پر گرفت ڈھیلی پڑی تو زوال شروع ہو گیا اور بالآخر 1557ء میں انگریزوں نے آخری مغل تاجدار
 بہادر شاہ ظفر کو ہر طرف کر کے ہندوستان پر کل طور پر قبضہ جمایا، حکومت کے خاتمہ سے چند ماہ پہلے کا
 ذکر ہے ایک روز ایک مغل شہزادہ دہلی شہر سے باہر ایک باغ میں غلیل سے چڑیوں کا شکار کر رہا تھا۔
 ایک بزرگ کا ادھر سے گزر ہوا تو منع فرمایا اور کہا بیٹے! ان ننھی جانوں کو کیوں مٹانے کر رہے ہو، شکار
 ہمیشہ کسی بڑے جانور کا کرنا چاہیے کہ ایک کی جان جائے اور بیسیوں کا پیٹ بھرے۔ یہ سن کر جانیں
 تو بیسیوں مٹانے ہو جائیں اور پیٹ ایک کا بھی نہ بھرے۔

شہزادہ ترنگ میں تھا۔ بزرگ کی بات کا برا منایا۔ منہ سے کوئی جواب دینے کی بجائے ایک پتھر
 غلیل میں رکھا اور بابا جی کو بھی جڑا دیا۔ بوڑھے کو سخت چوٹ آئی۔ مگر بیچارہ چپکا ہوا شہزادے کے سامنے اس کی
 کیا مجال تھی۔

ابھی ایک سال بھی نہ گزرا تھا کہ مغلوں کی حکومت ختم ہو گئی۔ شہنشاہ بہادر شاہ ظفر کو انگریزوں نے
 قید کر کے رنگون بھیج دیا۔ شاہی خاندان پر تو ایک قیامت بیت گئی۔ بہت سارے شہزادے مارے گئے اور
 بعض جان کے خوف سے بھاگ گئے۔

انہیں میں وہ شہزادہ بھی شامل تھا۔ چھپتے چھپاتے جنگل کی جانب نکل گیا اور گھنے درختوں کے ایک
 جھنڈ میں پناہ لی، زمین پر لیٹا اپنی بہ قسمی پر غور کر رہا تھا کہ درخت پر نظر گئی۔ ایک چڑیا بڑے اطمینان
 سے اپنے گھونسلے میں بیٹھی تھی۔ شہزادے کو اس کی قسمت پر رشک آیا کہ کیسے اطمینان سے گھر میں بیٹھی ہے اور
 وہ مارا مارا پھر رہا ہے۔ یہ سوچنا تھا کہ آنکھوں میں آنسو آ گئے اور سال پرانا واقعہ بھی یاد آ گیا کہ اس نے کس طرح
 چھوٹے چھوٹے جانوروں کو نقصان پہنچایا تھا۔

شہزادے کو یقین ہو گیا کہ اس کی یہ حالت ان معصوم جانوروں کی بددعا کا نتیجہ ہے۔ چنانچہ اس نے
 اللہ سے حضور توبہ کی۔ نتیجتاً اس کی جان تو بچ گئی۔ مگر باقی عمر بھیگ مارا گیا کہ بے بسی
 دوستوں پر سک ہے کہ میں بے بس اور بے زبان مخلوق کی بددعا سے بچنا چاہتا۔

جانوروں کو لڑانے کی ممانعت :- قدیم عرب جانوروں کو باہم

لڑاتے۔ اپنی اپنی پسند کے جانوروں پر شرطیں باندھتے تھے۔ یہ رسم بد اس زمانے میں بھی موجود ہے۔ رچھوں، کتوں، مرغوں اور بیڑوں کی لڑائی عام سی بات ہے۔ بعض سپیرے سانپ اور نیولے کی لڑائی بھی دکھاتے ہیں۔ ایسی لڑائیوں میں جانوروں کا بُرا حال ہو جاتا ہے۔ بیچارے زخمی ہو جاتے ہیں۔ چونچیں ٹوٹ جاتی ہیں، آنکھیں ضائع ہو جاتی ہیں، خون بہہ رہا ہوتا ہے مگر مالکوں اور تماشاٹیوں کو رحم نہیں آتا، ہمارے پیارے نبی آقائے دو جہان نے جانوروں کو یوں لڑانے سے بھی منع فرمایا ہے۔

دُم اور پر کاٹنے کی ممانعت :- بعض لوگ پرندوں کے پر

اور دُم کاٹ دیتے ہیں۔ مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ گھر کے اندر ہی رہیں اور اڑ کر کہیں دُور نہ نکل جائیں۔ خوب صورت پرندوں مثلاً مور وغیرہ کے پر تو پکے ہیں۔ جنہیں لوگ آرائش کے طور پر گھروں میں رکھتے ہیں۔

جناب رسالتاً نے اس سے منع فرمایا ہے۔ کیونکہ اس

سے پرندوں کی خوبصورتی ہی متاثر نہیں ہوتی، بلکہ ان کی نقل و حرکت پر بھی اثر پڑتا ہے۔

انسانوں کو نقصان پہنچانے والے جانوروں کو ہلاک کرنے کی اجازت دی۔ بلکہ اسے کارِ ثواب قرار دیا، مگر بے ضرر یا انسانوں کے دوست جانوروں کو مارنے سے منع فرمایا۔ اس سلسلے میں احادیث کی کتب میں چونیٹی، شہد کی مکھی اور ہدہ وغیرہ کا ذکر خاص طور پر ملتا ہے۔

ذبح کرنے کے آداب :- حضور سرورِ کونینؐ نے جانوروں کے ذبح کرنے کے آداب بھی بتائے۔ فرمایا کسی جانور کو ذبح کریں تو اچھے طریقے سے کریں۔ اپنی چھری کو تیز کر لیں اور حتی الامکان ذبیحہ کو آرام پہنچائیں^۱۔ یہاں آرام پہنچانے سے مراد یہ ہے کہ جانور اس انداز سے ذبح کیا جائے کہ جان نکلنے کی تکلیف زیادہ نہ ہو۔ چھری تیز ہوگی تو رگ آسانی سے کٹ جائے گی اور جانور جلدی ٹھنڈا ہو جائے گا، یہی وجہ ہے کہ ناخن سے خراش دے کر یا دانت سے کاٹ کر ذبح کرنے سے منع فرمایا، ذبح کرتے وقت جانور کے ساتھ ہمدردی ہو اور دل میں اس کے لئے رحم کے جذبات ہونا چاہئیں۔

حدیث قدسی ہے کہ ایک دفعہ ایک شخص حضورؐ کی خدمت میں

حاضر ہوا۔ عرض کی یا رسول اللہ! میں جب بکری وغیرہ ذبح کرتا ہوں تو مجھے اس پر رحم آتا ہے۔ فرمایا اگر تم بکری پر رحم کرتے تو خدا تم پر رحم کرے گا۔

بلا ضرورت سواری کی مخالفت :- حضور سرور کائناتؐ نے بلا ضرورت جانوروں کی پشت پر سوار رہنے سے منع فرمایا۔

فرمایا: ”جانوروں کی پشت کو منبر نہ بناؤ۔ خدا نے ان کو تمہارا فرمانبردار صرف اس لئے بنایا ہے کہ وہ تمہیں ایسے مقامات تک پہنچادیں، جہاں تم آسانی سے نہیں پہنچ سکتے تھے۔ تمہارے بیٹے کے لئے زمین کو پیدا کیا گیا ہے۔ اپنی ضرورتیں اس پر پوری کرو۔“ اگرچہ رسالہ کتاب نے مختلف مواقع پر خود اونٹ پر بیٹھ کر خطبہ ارشاد فرمایا۔ لیکن یہ ضرورت کے تحت تھا محض شغل کے طور پر جانوروں پر سوار رہنا اور ان کی پشت کو کرسی اور نشست کے طور پر استعمال کرنے کی مخالفت فرمائی۔

جانوروں کے بے جا استعمال کی مخالفت :- ہمارے پاس

ایک اور رواج بھی ہے کہ ایک ہی جانور سے مختلف کام لیتے ہیں مثلاً کسی کے پاس اونٹ ہے تو وہ اسے سواری اور بار برداری کے

علاوہ کھیتی باڑی کے کاموں کے لئے بھی استعمال کر لیتا ہے۔ برصغیر کے بعض علاقوں میں بھینس اور گائے کو ہل، رہٹ اور چھکڑوں میں جوتا جاتا ہے۔ حالانکہ وہ محض دودھ کے لئے ہیں۔

ہمارے پیارے نبی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جانوروں کے اس بے جا استعمال کو ناپسند فرمایا۔ اور مسئلہ کو ذہن نشین کرانے کے لئے ایک متمثل بیان فرمائی۔ فرمایا، کہ ”ایک شخص بیل پر سوار کہیں جا رہا تھا۔ بیل نے مڑ کر کہا۔ میں اس مقصد کے لئے پیدا نہیں کیا گیا ہوں۔ میں تو کھیتی باڑی کے لئے پیدا کیا گیا ہوں!“

ذرا غور کریں تو ظاہر ہوگا۔ کہ اس میں بھی جانوروں سے نرمی اور ہمدردی کی حکمت پوشیدہ ہے۔ ان بے زبانوں کو اگر ہر قسم کے کام کے لئے استعمال نہیں کیا جائے گا، تو انہیں آرام کے لئے زیادہ وقت ملے گا۔ اور وہ نسبتاً سکون کی زندگی بسر کریں گے۔

آداب سفر۔ حضور سرورِ دو عالمؐ نے مختلف موسموں اور علاقوں کے اعتبار سے سفر کے آداب بتائے۔ فرمایا کہ:

”اگر سرسبزی اور شادابی کے زمانے میں سفر کرو تو اونٹوں کو زمین کی شادابی سے فائدہ پہنچاؤ اور اگر قحط کے زمانے میں سفر کرو تو انہیں

تیزی سے چلاؤ !

اس حدیث مبارکہ میں پوشیدہ حکمت کا تعلق بھی جناب رسالت ﷺ کی جانوروں سے محبت و شفقت سے ہے۔ موسم خوشگوار ہو۔ زمین سرسبز ہو۔ چارہ کی افراط ہو، تو آرام آرام سے سفر کرو۔ تاکہ تمہارے کستانے کے دوران سواری کا جانور جی بھر کر چارہ کھالے اور سفر کی تکان اتار لے لیکن اگر صورت حال اس کے برعکس ہو، قحط اور خشک سالی کا زمانہ ہو، اور آپ ایسے علاقے سے گزر رہے ہوں جہاں چارہ وغیرہ کی قلت ہو، تو سفر کا یہ حصہ تیزی سے طے کر لو۔ تاکہ تمہارے جانوروں پر قحط کا اثر نہ پڑے۔ اور وہ منزل مقصود پر پہنچ کر بہ اطمینان پیٹ بھر کر چارہ کھا سکیں۔

جانوروں کے لئے خوراک کا انتظام کرنا صدقہ ہے۔ جانوروں

کے لئے خوراک کا بندوبست کرنے والوں کو بے پناہ اجر اور ثواب کی بشارت دی گئی ہے۔ یہ انتظام ارادی طور پر کیا گیا ہو یا غیر ارادی طور پر، ثواب میں کمی نہیں آئے گی، مثال کے طور پر بعض لوگ کسی کھلی جگہ پر جانوروں کے لئے دانا ڈنکا بکھیر دیتے ہیں جسے جگ کر پرندے پیٹ بھر لیتے ہیں۔ یقیناً یہ نیکی کا کام ہے۔

مسلم

دوسری طرف ایک کسان ہے جس نے درخت لگایا یا فصل بوئی۔ اب درخت کے پتوں پھولوں اور بیجوں سے چرندے اور پرندے پیٹ بھرتے ہیں۔ فصل پک کر تیار ہوتی ہے تو پرندے بھی اس سے اپنا حصہ وصول کر لیتے ہیں، ظاہر ہے کہ کسان نے یہ ساری محنت جانوروں کیلئے نہیں کی تھی۔ اس کا مقصد تو ذاتی منفعت تھا۔ لیکن جانوروں نے یوں بالواسطہ طور پر بھی جو فائدہ اس سے اٹھایا، اللہ تبارک و تعالیٰ اُسے اس کا اجر دینگے۔ جناب رسالہ کتاب نے فرمایا کہ یہ صدقہ ہے۔ عام طور پر دیکھنے میں آتا ہے کہ لوگ جانوروں کے ساتھ حسن سلوک کا زیادہ خیال نہیں رکھتے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ سخت جان مخلوق ہے اور چھوٹی موٹی تکلیف کا ان پر اثر ہی نہیں ہوتا۔ یہی نادانی اور بھولپن ہمارے گناہوں میں اضافہ کا موجب بنتے ہیں۔ اس سلسلے میں کسی قسم کا شک نہیں ہونا چاہئے کہ جانوروں کو تکلیف پہنچانا سخت گناہ ہے۔ اور حضور سرور کائناتؐ نے فرمایا کہ ”تم لوگ جانوروں کے ساتھ جو بدسلوکی کرتے ہو، اگر اللہ تعالیٰ اُسے معاف کر دیں تو سمجھو کہ تمہارے اکثر گناہ معاف ہو گئے۔“

جانوروں کے ساتھ ہمدردی سے متعلق

حضور سرور کونین کے واقعات

حیاتِ اقدس اور سیرۃ کی کتابوں کا مطالعہ کریں تو جانوروں کے ساتھ ہمدردی سے متعلق حضور سرور کونینؐ کے بے شمار واقعات ملتے ہیں۔ موضوع کی ضرورت کے تحت ذیل میں چند ایک کا ذکر کیا جائے گا۔

۱۔ ایک پیغمبر کا واقعہ:- جانوروں کے ساتھ حسن سلوک کے موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے ایک مرتبہ حضور سرور کونینؐ نے ایک پیغمبر کا قصہ بیان فرمایا کہ سفر پر جا رہے تھے۔ تھک گئے تو سستانے کے لئے ایک درخت کے نیچے بیٹھ گئے۔ پاس ہی اپنا سامان رکھ لیا، ابھی کچھ ہی دیر گزری تھی کہ بازو میں سخت چبھن ہوئی، دیکھا تو ایک چھوٹی سی دانت گاڑ رکھے تھے، اللہ کے نبی سفر کی تکان اور دھوپ کی شدت سے پہلے ہی پریشان تھے۔ اب چھوٹی نے بھی اپنا کام دکھایا تو بھٹا گئے، فوراً ٹوہ لگائی کہ چھوٹیوں کا سوراخ کدھر ہے۔ وہ مل گیا تو سنت سمجھنے کے عالم میں سب چھوٹیوں کو چلا ڈالا۔

اس پر وحی نازل ہوئی۔ رب العالمین نے تینہہ کی کہ کاٹا تو ایک چوئیٹ
نے تھا۔ سب کو جلانے کا کیا جواز تھا۔ اگر بدلہ ہی لینا تھا تو اس ایک
چوئیٹ کو ہلاک کر دیتے سب کو جلانے کی تو کوئی ٹھک نہ تھی۔ وہ تو بیگناہ
ہی ماری گئیں۔

ظاہر ہے کہ ایک پیغمبر کا واقعہ بیان کرنے سے جناب رسالت کا
مدعا یہ تھا کہ جب اس سلسلے میں اللہ کے نبی کی سرزنش ہو سکتی ہے تو عام لوگوں
کی تو اوقات ہی کیا۔ اور ہمیں چاہیے کہ جانوروں کو تکلیف پہنچانے
سے بچیں!

2۔ ہر جاندار کے ساتھ حسن سلوک کا ثواب ہے۔۔۔ ملک عرب میں
پانی کی قلت ہوتی تھی۔ اور لوگ اسے اپنے اور اپنے جانوروں کے
استعمال کے لئے بڑی احتیاط سے سنبھال کر رکھتے تھے۔ ایک صحابی
نے اپنے باغ میں ایک تالاب بنا رکھا تھا، جہاں اس کے اوتل
پانی پیتے تھے۔ کبھی کبھار کوئی بھٹکا ہوا اونٹ ادھر آ نکلتا تو وہ بھی
وہیں سے پیاس بجھا لیتا تھا۔

صحابی نیک دل آدمی تھے۔ ایسے جانوروں کو منع نہیں کرتے تھے
دل میں خیال آیا کہ شاید ان کا یہ فعل نیکی ہو، پھر سوچا کہ یہ تو معمولی
سی بات ہے۔ بھلا اس میں نیکی کہاں سے آگئی۔ خود قیصد نہ کر سکے تو

معاملہ کی وضاحت کے لئے جناب رسالتاًؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے حضورؐ نے قصہ سنا تو فرمایا۔ یقیناً یہ نیکی ہے کسی بھی جاندار کے ساتھ اچھا سلوک کریں تو ثواب ملتا ہے۔ اس کے بعد تو اس اصحابی نے کسی جانور کو نہ روکا۔ بلکہ خود ان کی پیاس بجھاتے تھے۔

3۔ چڑیا کی بے قراری۔ ایک مرتبہ حضورؐ سفر میں تھے، ایک جگہ قیام کیا تو دیکھا کہ ایک چڑیا پریشانی کے عالم میں لوگوں کے سروں پر پھڑپھڑا رہی ہے۔ آپؐ نے ساتھیوں سے اس کی بے قراری کا سبب پوچھا اور فرمایا تم میں سے تو کسی نے اس کو نہیں ستایا؟ ایک شخص آگے بڑھا اور عرض کی۔ یا رسول اللہؐ! ادھر جھاڑی میں ایک انڈا پڑا ہوا تھا۔ میں نے اٹھا لیا۔ غالباً اسی چڑیا کا ہے اور یہی اس کی پریشانی کا سبب ہے۔

جناب رسالتاًؐ نے ناراضگی کا اظہار فرمایا اور اس شخص کو حکم دیا کہ انڈا وہیں رکھ آئے۔

جانوروں کے بچے پکڑنا اور انڈے توڑنا بعض دوستوں کا شغل ہوتا ہے، اس واقعہ سے وہ یقیناً نصیحت پکڑیں گے۔

4۔ جانوروں کو بھوکا نہ رکھو۔ ایک بار حضورؐ سرور کو نین

نے ایک اُونٹ دیکھا کہ مسلسل فاقوں سے سوکھ کر بیجر ہو رہا تھا۔ آپ نے مالک کے بارے میں پوچھا تو کسی نے ایک صحابی کا نام لیا۔ آپ نے انہیں فوری طلب کیا۔ اور جانوروں سے زیادتی پر سرزنش فرمائی۔ فرمایا "بے زبان جانوروں کے معاملے میں خدا سے ڈرو۔ ان پر سواری کرنا ہو تو انہیں اچھی حالت میں رکھو اور اگر کھانا ہو تو بھی اچھی حالت میں رکھ کر کھاؤ۔"

۵۔ فاختہ اور اس کے بچے۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ آپ کسی غزوہ میں

شرکت کے لئے جا رہے تھے۔ کہ ایک شخص نے رومال میں لپیٹی ہوئی کوئی چیز آپ کی خدمت میں پیش کی۔ حضورؐ نے گرہ کھولی تو کیا دیکھتے ہیں کہ ایک فاختہ اپنے بچوں کو پروں کے نیچے سمیٹے بیٹھی ہے۔ پوچھنے پر اس شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں جنگل سے گذر رہا تھا کہ ایک جھاڑی میں ان بچوں کو دیکھا مجھے اچھے لگے، تو رومال میں ڈال کر چلتا بنا۔ ابھی زیادہ دُور نہیں گیا تھا کہ سر پر کسی پرندے کا پھڑپھڑاہٹ اور چیخنے کی آوازیں سنیں۔ اوپر دیکھا تو بچوں کی ماں فاختہ بے چینی سے چکر کاٹ رہی تھی۔ میں نے رومال زمین پر پھیلایا تو وہ بھی بچوں کے پاس آکر بیٹھ گئی۔ چنانچہ میں نے سب کو لپیٹا اور آپ کے پاس لے آیا۔

یہ سن کر حضور کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس شخص سے فرمایا کہ ان معصوم پرندوں کو بے گھر کر کے تم نے کوئی اچھی بات نہیں کی اور حکم دیا کہ انہیں اسی وقت گھونسے میں واپس رکھ کر آؤ۔

6۔ بوڑھا اونٹ :- ایک دفعہ حضرت رسول اکرمؐ مدینہ کی ایک گلی میں تشریف لے جا رہے تھے کہ ایک طرف سے شور اٹھا، حضورؐ نے دیکھا کہ ایک اونٹ بھاگا آ رہا ہے اور پیچھے کچھ لوگ ہیں۔ رسول اللہؐ کے ہی تھے کہ اونٹ آپ کے سامنے گھٹنے ٹیک کر بیٹھ گیا۔ آپ نے شفقت سے اس کی پشت پر ہاتھ پھیرا۔ اتنے میں وہ لوگ بھی پہنچ گئے جو اُسے پکڑنا چاہتے تھے۔ آپ کے پوچھنے پر انہوں نے بتایا کہ اونٹ بہت بوڑھا ہو چکا ہے اور کام کاج کے قابل نہیں رہا۔ چنانچہ اب وہ اسے ذبح کرنا چاہتے ہیں۔ وہ بات کر رہے تھے تو اونٹ رحمتِ دو عالم کو عجیب بے بسی سے دیکھ رہا تھا۔ اس پر حضورؐ کو رحم آگیا۔ مالکوں سے فرمایا کہ اس اونٹ نے لمبے عرصے تک آپ لوگوں کی خدمت کی ہے۔ اب اگر وہ بوڑھا اور کمزور ہو گیا ہے تو آپ بھی اس کی تھوڑی سی خدمت کر دیں۔ ان لوگوں نے حضورؐ کی بات مان لی اور اونٹ کو آزاد کر کے چرنے کے لئے کھلا چھوڑ دیا۔

7۔ گتیا اور اس کے بچے :- جانوروں سے شفقت کے معاملہ میں

حضور پالتو اور آوارہ کی تیز نہیں فرماتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ کسی ہم پر جارہے تھے کہ راستہ میں ایک گتیا کو دیکھا کہ مزے سے لیٹی بیچوں کو دودھ پلا رہی ہے۔ حضور کو اُن کے آرام کا اس قدر احساس ہوا کہ فوجیوں کو راستہ چھوڑ کر گزرنے کا حکم دیا۔ یہی نہیں بلکہ ایک سپاہی کو وہاں کھڑا کر دیا تاکہ پیچھے آنے والوں کو بھی ادھر نہ جانے دے، مبادا جانوروں کے آرام میں خلل آئے۔

۸۔ پیاسا کتا: حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ صرف خود جانوروں پر شفقت فرماتے بلکہ صحابہ کو بھی ایسا کرنے کی تلقین کرتے۔ ایک روز صحابہ کی ایک جماعت آپ کی خدمت میں موجود تھی۔ انسان کے جذبہ رحم اور شفقت کے بارے میں گفتگو ہو رہی تھی۔ موضوع کی وضاحت کے لئے حضور نے ایک حکایت بیان کی۔ فرمایا کہ ایک شخص جنگل میں چلا جا رہا تھا۔ گرمیوں کا موسم اور دوپہر کا وقت تھا۔ پیاس لگی تو ایک کنوئیں پر پہنچا دیکھا کہ دُور ہے نہ ڈول۔ پانی تک کیسے پہنچا جائے غرض جوں توں کر کے کنوئیں میں اُترا اور پیاس بجھائی۔ ابھی باہر نکلا ہی تھا کہ ایک گتیا بھی لپٹا کا نپتا آن پہنچا ہے اور کیڑ چاٹ رہا ہے۔ بالشت بھر زبان باہر نکلی ہوئی تھی اور سخت پیاسا معلوم ہو رہا تھا۔ اس شخص نے سوچا کہ یہ بھی

میری طرح جاندار ہے اور اس کی پیاس بجھائی جائے۔ چنانچہ دوبارہ کنوئیں میں اُترا اور اپنے موزوں میں پانی بھر لایا۔ کتے نے پانی پیا تو جان میں جان آئی اور دم ہلاتا ہوا ایک طرف کو بھاگ گیا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کو ایک جاندار کے ساتھ اس شخص کی یہ شفقت اور ہمدردی اس قدر پسند آئی کہ انعام کے طور پر اُسے بخش دیا۔ صحابہ بڑی دلچسپی سے قصہ سن رہے تھے بات ختم ہوئی تو پوچھا یا رسول اللہ! کیا جانوروں پر بھی رحم کرنے کا ثواب ملتا ہے۔ آٹ نے فرمایا بے شک!

9۔ بڑھیا کی بلی :- اسی طرح آپ نے صحابہ کو ایک اور واقعہ سنایا کہ ایک بڑھیا نے بلی پال رکھی تھی۔ نہ جاتے اُسے کیا دہم ہو گیا تھا کہ معصوم جانور کو ہر وقت باندھے رکھتی۔ اس کی خوراک کا بھی خیال نہیں رکھتی تھی۔ بلی بھوک سے بے چین ہو کر چیختی چلاتی، لیکن ظالم بڑھیا پر اس کا کچھ اثر نہ ہوتا تھا۔ یہ ننھی جان کب تک برداشت کرتی۔ آخر ایک روز اللہ کو پیاری ہو گئی۔ بڑھیا اس ظلم کی پاداش میں سیدھی جہنم میں گئی۔

10۔ بجھاؤ بجھاؤ :- ایک دفعہ آپ کچھ صحابہ کے ہمراہ ایک سفر پر تشریف لے گئے راستے میں ایک جگہ آرام کے لئے روکے صحابہ کھانے پینے

کی تیاری کرنے لگے۔ حضورؐ کسی کام کی غرض سے کھوڑی دیر کے لئے کیمپ سے باہر تشریف لے گئے۔ واپس آئے تو دیکھتے ہیں کہ چوٹھا تیار ہے اور اس میں آگ بھی جلائی جا چکی ہے۔ بغور دیکھا تو پتہ چلا کہ اس جگہ پر چوٹیوں کا سوراخ تھا، بواب جان پہچانے کے لئے بھاگ رہی ہیں، کہ کہیں جل کر راکھ نہ ہو جائیں۔ بے زبان مخلوق کو تکلیف میں دیکھ کر رحمت للعالمینؐ بے کل ہو گئے اور صحابہؓ کو حکم دیا کہ فوری طور پر آگ بجھا دیں اور چوٹھا کسی اور جگہ بنائیں۔

دوستو! آپ نے دیکھا کہ ہمارے پیارے رسولؐ جانوروں کا کتنا خیال رکھتے تھے۔ بھٹی آخر ان میں بھی جان ہوتی ہے۔ ان کے جذبات و احساسات بھی انسانوں کی طرح کے ہوتے ہیں۔ دیکھنے میں آیا ہے کہ بعض بچے جانوروں کو تنگ کرتے ہیں۔ انہیں مارتے پیٹتے ہیں۔ پرندوں کے انڈے اور بچے گھونسلوں سے نکال کر ضائع کر دیتے ہیں۔ امید ہے کہ آئندہ وہ ایسی حرکت کبھی نہیں کریں گے۔

ایک غیر مسلم کا خراج تحسین

اس باب کے آخر میں ایک غیر مسلم مغربی مفکر اور مسنف کا قول درج کیا جا رہا ہے۔ جناب رسالتؐ کے جانوروں کے ساتھ حسن سلوک کا ذکر کرتے

ہوئے ایس مارگو لٹھ لکھتے ہیں۔

”آنحضرت کی درو مندی کا دائرہ انسانوں ہی تک محدود نہ تھا بلکہ انہوں نے

تو جانوروں پر ظلم و ستم توڑنے کو بھی بہت بُرا کہا ہے۔“

دوستو! ہماری خوش قسمتی ہے کہ حضور سرورِ کونین کی امت میں سے ہیں

ہمارے لئے آپ کی ذات با برکات ہر لحاظ سے کامل ہے۔ دنیا دہان کی

کوئی خوبی ایسی نہ ہوگی جو آپ کی ذات میں نہ ہو، ہماری زبانیں اور قلیں

آپ کی صفت و ثناء بیان کرنے سے قاصر ہیں۔

لیکن اگر غور کریں، تو مسلمان ہونے کے ناطے سے حضور سرورِ دو عالم کی

مدح و صفت بیان کرنا ہمارا مذہبی فریضہ ہے۔ جناب رسالتاً کے ساتھ

محبت اور عقیدت کا اظہار ہر مسلمان کرتا ہے۔ لیکن مزہ تو بت ہے کہ بیگانے

بھی تعریف کریں۔ اب ذرا ایس مارگو لٹھ کے بیان پر دوبارہ نظر ڈالیں،

وہ غیر مسلم ہے۔ حضور سے کوئی مذہبی عقیدت نہیں رکھتا، اس کے باوجود

اگر وہ آپ کو انسانوں اور حیوانوں ہردو کے لئے رحمت تسلیم کر رہا ہے، تو

اس کی تحقیق کا نتیجہ ہے۔ اسلام اور پیغمبر اسلام کے تفصیلی مطالعہ کے بعد

یہ کہنے پر مجبور ہوا ہے،

تو دوستو! یہ ہماری خوش بختی کی انتہا ہے کہ اس رسول کی امت

ہیں، جن کو اپنے ہی نہیں غیر بھی خراج تحسین پیش کرتے ہیں۔

پہلے باب

رسولِ رحمت



بسم اللہ

عبادات



رسول رحمت

سلسلہ عبادات

مفہوم: عبادت کا لفظ عبد سے نکلا ہے: عبد کے لفظی معنی میں بندہ اور غلام۔ لہذا عبادت کے معنی بندگی اور غلامی کے ہوئے۔ اصطلاحی طور پر دیکھیں تو عبادت میں ہر وہ کام شامل ہے جس کا مقصد اللہ کی خوشنودی اور رضا حاصل کرنا ہو، عبادت الہی انسانوں اور دوسری مخلوق کے لئے لازم ہے۔ یہی نہیں بلکہ تمام مخلوق پیدا ہی اسی لئے کی گئی کہ اللہ کی عبادت کرے۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ ۚ (الشوریٰ ۵۶)

ترجمہ: میں نے انسانوں اور جنوں کو اسی لئے پیدا کیا کہ وہ میری عبادت کریں۔

ارکان اسلام: دین اسلام میں چار عبادتیں فرض ہیں یعنی نماز، زکوٰۃ، روزہ

اور حج اس سلسلے میں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد بھی ہے: فرمایا:

”اسلام کی بنیاد پانچ ستونوں پر قائم ہے۔“

۱۔ توحید و رسالت کا اقرار کرنا۔

۲۔ نماز قائم کرنا۔

۳۔ زکوٰۃ دینا۔

۴۔ روزہ رکھنا۔

۵۔ حج کرنا۔

توحید و رسالت کا اقرار دین کی بنیاد ہے ، اور یہ ہم کلمہ پڑھ کر کرتے ہیں ۔ دائرہ اسلام میں داخل ہونے کے لئے یہ اقرار لازم ہے ۔ باقی چاروں عبادات بھی اپنی اپنی جگہ بے حد اہم ہیں ۔ جن سے روحانی فیوض و برکات کے علاوہ گونا گوں اخلاقی ، معاشی اور معاشرتی فوائد بھی حاصل ہوتے ہیں ۔

دیگر مذاہب میں عبادت کا تصور :- یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ

عبادت کا تصور اور حکم ہر مذہب میں موجود رہا ہے ۔ یہودیت کو لیں ، عیسائیت کو دیکھیں یا بدھ مت وغیرہ کا جائزہ لیں ، عبادت کا تصور سب کے ہاں موجود ہے ۔ لیکن اُن کے اور اسلام کے تصورِ عبادت میں زمین و آسمان کا فرق ہے ۔ اُن کا خیال تھا کہ بندہ جس قدر زیادہ تکلیف اٹھاتا ہے ۔ خدا اُسنا ہی خوش ہوتا ہے اس لئے اُس نے اپنے جسموں کو شدید قسم کی تکلیفیں پہنچاتے اور سمجھتے تھے کہ جسم کی اذیت سے روح صاف اور پاکیزہ ہو جائے گی ۔ عیسائیوں میں رہبانیت اور ہندوؤں میں جوگ ، اذیت کے اسی تصور کا نتیجہ ہیں ۔

عیسائی راہب دنیا کے عیش و آرام کو اپنے اوپر حرام کر لیتے ۔ بستریاں چھوڑ

کر جنگلوں اور ویرانوں میں نکل جاتے ، وہاں عبادت گاہیں اور خانقاہیں بنا لیتے اور ساری دنیا سے الگ بیٹھ کر عبادت کرتے ۔ کسی سے واسطہ نہ تعلق ، بچوں کی فکر نہ بیوی کی پرداہ ، اوریوں گوشہ نشین ہو کر وہ سمجھتے کہ اللہ کو خوب راضی کر رہے ہیں ۔

ہندوؤں میں بھی جوگ کا تصور عیسائیوں کی راہبانیت سے ملتا جلتا ہے ۔ وہ بھی فقیروں کا روپ دھار کر پہاڑوں کی طرف نکل جاتے ، جہاں جی چاہتا ، دھونی رما کر بیٹھ جاتے ۔ کھانے کی فکر ، نہ پہننے کی پرداہ ۔ عام طور پر تنگ دھڑنگ رہتے ، یا صرف ایک لنگوٹی باندھ لیتے ۔ اپنی جان کو عجیب عجیب طریقوں سے اذیت میں ڈالتے ۔ کوئی ایک پاؤں پہ پہروں کھڑا رہتا ، تو کوئی ہاتھ اوپر کئے رکھتا تاکہ یہ سُوکھ جائیں اور بُرائی کرنے کے قابل نہ رہیں ۔ کوئی چالیس چالیس دن کا برت رکھتا ، تو کوئی پہاڑ کی کسی کھدہ میں ایسا ڈیرہ لگاتا ، کہ وہیں جان دے دیتا تھا ۔ غرض ان لوگوں نے اپنے آپ کو اذیت دینے کے بے شمار طریقے وضع کر رکھے تھے اور اسے اپنی سمجھ میں عبادت خیال کرتے ہیں ۔

اسلام میں تصور عبادت :- یہ حضور سرورِ عالم کی ذات مبارک

تھی جنہوں نے لوگوں کو اس عذاب سے نجات دلائی ۔ آپ نے واضح طور پر بتا دیا کہ یوں اپنے آپ کو اذیتیں دینے سے اللہ کو مسرت

نہیں ہوتی۔ تمہاری بھوک پیاس سے اس کو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ تمہارے جگ اور رہبانیت خدائے بزرگ و برتر کے نزدیک بالکل بے معنی ہیں، وہ تو اپنے بندوں پر حد سے زیادہ مہربان ہے اور ان کے لئے ہر طرح کی آسانیاں پیدا کرتا ہے بھلا وہ انہیں مشکل میں دیکھ کر کیونکر خوش ہونے لگا۔ ذاتِ حق کی یہ منشار مختلف آیات کی صورت میں بندوں تک پہنچی۔

سورہ بقرہ میں ارشاد ہوا :-

يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ

ترجمہ: خدا تمہارے ساتھ آسانی چاہتا ہے سختی نہیں (البقرہ: ۱۸۵)

سورہ حج میں ارشاد ہوا :-

وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ

ترجمہ: خدا نے تمہارے لئے دین میں تسلی نہیں رکھی۔ (الحج: ۷۸)

اور پھر سورہ بقرہ کی وہ مشہور آیت جو اکثر ہماری زبانوں پر رہتی ہے :-

لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا

ترجمہ: خدا کسی پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔ (البقرہ: ۲۸۶)

دینِ اسلام کی آسانی اور فراخی کے بارے میں حضور سرورِ کونین کی بھاری

کئی احادیث ہیں:

فرمایا، یہ دین آسان ہے۔ جو کوئی سختی میں دین سے مقابلہ کرے

ہاں جانے گا۔

اس باب کا مقصد، مختلف عبادات کے حوالے سے حضور سرور کائناتؐ کی شانِ رحمت کو اجاگر کرنا ہے۔ نماز، زکوٰۃ، روزے اور حج کے حوالے سے سیرتِ رسولؐ کے اس گوشے کو منور کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

نماز

اہمیت :- دین اسلام کا پہلا رکن ہے، قرآن حکیم میں سو سے زائد مرتبہ اس کا ذکر اور تاکید آئی ہے، بیسیوں احادیث اس کی اہمیت ظاہر کرتی ہیں، کہیں اسے دین کا ستون کہا گیا ہے تو کہیں یہ جنت کی کنجی ہے۔

نماز امیر و غریب، جوان، بوڑھے، مرد، عورت، بیمار، تندرست، مسافر، مقیم سب پر یکساں فرض ہے، اس سے معافی کی کوئی صورت نہیں۔ کھڑے ہو کر نہیں پڑھ سکتے، تو بیٹھ کر پڑھ لیں، اس کی بھی اہمیت نہیں تو لیٹے لیٹے ادا کر سکتے ہو۔ بول نہیں سکتے تو اشاروں سے ادا کی جاسکتی ہے، رگ نہیں سکتے تو سواری پر ہی پڑھ لیں اور اگر رُخ کا پتہ نہیں تو سواری کے رُخ پر ہی ادا کر لیں۔ غرض نماز کو ہر جگہ اور ہر حالت میں ادا

کرنا ہے۔ اس کی معافی کی کوئی صورت نہیں۔ نماز کی اہمیت کا اندازہ اس بات پر بھی لگایا جاسکتا ہے کہ اس کی فرصت معراج کے وقت ہوئی۔ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مالک حقیقی سے ملاقات کے لئے عرش بری پر تشریف لے گئے، تو تحفہ میں پچاس نمازیں عطا ہوئیں کہ آپ اور آپ کی امت ہر روز پچاس نمازیں ادا کرے۔ مگر حضرت موسیٰؑ کے کہنے پر اللہ تبارک و تعالیٰ کے حضور درخواست کر کے نمازوں کی تعداد پانچ کر دیا۔ اور خداوند کریم نے فرمایا کہ آپ کی امت میں سے جو پانچ پڑھے گا اُسے بھی پچاس جتنا ثواب ہو گا۔

حضور سرور کونینؐ کی شانِ رحمت ملاحظہ ہو کہ ان کی ذات یا برکات کے صدقے میں امت کو یہ سہولت نصیب ہوئی۔ نمازیں تو پڑھیں پانچ اور ثواب لیں پچاس کا۔ سبحان اللہ:

وضو اور تکبیر۔ نماز کے لئے وضو ضروری ہے، وضو نہ کریں تو نماز نہیں ہوتی، شروع اسلام میں ہر نماز سے پہلے وضو کرنا لازمی تھا۔ بعض صحابہ کا وضو قائم بھی ہوتا، مگر دوبارہ کرنا پڑتا۔ حضور سرور کائنات نے فتح مکہ کے موقع پر اللہ کے حکم سے اعلان فرمایا کہ وضو جب تک قائم رہے دوبارہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ اور اس کے ساتھ جتنی نمازیں پڑھیں

پڑھ لو، گویا کہ امت کو ایک آسانی بہم پہنچا دی۔

وضو کے لئے پانی چاہیے۔ مگر بعض اوقات پانی آسانی سے نہیں ملتا۔ اور ریگستانی علاقوں میں تو یہ صورت حال اکثر پیش آتی رہتی ہے۔ دین مصطفویٰ نے اس سلسلے میں بھی آسانی دیا کر دی۔ حکم ہوا کہ اگر وضو یا غسل کے لئے پانی میسر نہ آئے، تو تیمم کر لیا کر دو۔ یعنی پاک مٹی سے کر منہ اور ہاتھوں کا مسح کر لو۔ جس طرح پانی سے کرتے ہو۔

تیمم کی اجازت شہ میں ملی۔ قرآن حکیم کی سورہ مائدہ میں اس اجازت کے ساتھ ہی کمال شفقت سے فرمایا کہ تمہارا خدا تمہیں کسی قسم کی تکلیف نہیں پہنچانا چاہتا۔ مقصد محض تمہیں پاک و صاف کرنا ہے۔

اندازہ فرمائیے کہ خدائے بزرگ و برتر کو اپنے محبوب بنی کی اہمیت کس قدر خیال ہے ہر کام میں آسانیاں ہی آسانیاں پیدا کر دیں تاکہ کسی کلمہ گو کو ذرہ بھر بھی تکلیف نہ ہو۔

نماز کے اوقات : مختلف نمازوں کے اوقات پر غور کریں تو قدرت کے کئی لازم پوشیدہ ملیں گے۔ اور بنیادی نقطہ یہی ہے کہ رسول عربی کی امت کو اس فرض کی ادائیگی کے سلسلے میں کوئی زحمت نہ ہو، صبح سے دوپہر تک انسانی مصروفیت کا وقت ہے سبھی روٹی کمانے کی فکر میں ہوتے ہیں، کوئی دفتر جاتا ہے اور کوئی سکول، کسی کو دکان پر بیٹھنا ہوتا ہے تو کوئی مزدوری کی فکر کرتا ہے، غرض اس دوران ہر کوئی مصروف ہوتا ہے۔

انسانی مصروفیات کا احترام ملاحظہ ہو کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس دوران کوئی نماز نہیں رکھی۔ فجر کے بعد دوسری نماز (ظہر) سورج ڈھلنے کے بعد شروع ہوتی ہے۔ گویا کہ درمیانی سات، آٹھ گھنٹے فکر معاش کے لئے عطا کر دیئے کہ ڈسٹرب ہوئے بغیر دلجمعی سے محنت کرو۔ اس میں ایک نقطہ اور بھی ہے کہ صبح کے وقت انسان تازہ دم ہوتا ہے اور سات آٹھ گھنٹے آسانی سے کام کر لیتا ہے۔

ظہر اور عصر میں اڑھائی، تین گھنٹے کا وقفہ رکھا۔ اس دوران کچھ لوگ قیلوہ کرتے ہیں یا پھر دن کا باقی کام مکمل کرتے ہیں۔ اب وقفہ کم رکھا گیا۔ تاکہ قیلوہ کرنے والے لمبی ٹان کر ہی نہ سو جائیں۔ اور غفلت کا شکار نہ ہوں۔ اور کام کرنے والے وضو اور عصر کی نماز سے آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کا سرور حاصل کریں۔ پھر اس وقفے کو غروبِ آفتاب تک لمبا کر دیا تاکہ اگر کوئی وجہ سے وقت پر نماز ادا نہیں کر سکا تو سورج کے چھپنے تک ادا کر لے۔

غروبِ آفتاب کے ساتھ دن کا خاتمہ ہوا، تو شکرانے کے طور پر پھر اللہ کے حضور جھکو۔ کہ دن بخیر و خوبی گذر گیا۔ مغرب کے بعد لوگ کھانا کھاتے ہیں پیٹ بھر کر کھانے سے معدے پر بوجھ پڑتا ہے اور طبیعت میں سستی

آ جاتی ہے۔ اطباء اس بات پر متفق ہیں کہ کھانے کے بعد فوری سو جانے سے بیسیوں بیماریاں پیدا ہوتی ہیں، اب مؤمنین کے لئے اللہ کی رحمت اور اس کے رسولؐ کی شفقت ملاحظہ ہو کہ سونے سے پہلے عشاء کی نماز کی ادائیگی فرض کر دی۔ سترہ رکعتوں پر مشتمل، طویل ترین نماز، ایک ایسے وقت میں رکھی جب انسان دن کے ہنگاموں سے فارغ ہو چکا ہوتا ہے۔ اور اپنے پروردگار کے ساتھ راز و نیاز کے لئے اس کے پاس وافر وقت ہوتا ہے۔ اور انسانی صحت کا نقطہ بھی پیش نظر رہے۔ کہ سترہ رکعتوں کی ادائیگی کے بعد کھانا بڑی حد تک ہضم ہو جاتا ہے۔ معدہ ہلکا ہو جاتا ہے اور انسان سکون کی نیند ہی نہیں سوتا بلکہ طرح طرح کی بیماریوں سے بھی محفوظ رہتا ہے۔

عشاء سے فجر تک آرام کا وقت ہے۔ دن بھر کے تھکے ہارے انسان کو سکون کی نیند کی ضرورت ہوتی ہے، چنانچہ اس دوران کوئی نماز نہیں رکھی سبحان اللہ! نماز کے اوقات اور ان میں پوشیدہ حکمتوں اور مصلحتوں کے اس مختصر سے بیان کے بعد بلاشبہ اُمتِ مسلمہ پر اللہ اور اس کے رسولؐ کی بے پناہ رحمتوں و شفقتوں کا قائل ہونا پڑتا ہے۔

نماز کے اخلاقی اور معاشرتی فوائد

محضور سرورِ کونینؐ اور ان کی اُمت کے لئے خدائے قدوس کا یہ تحفہ نماز،

اپنے دامن میں بے پناہ رحمتیں اور فضیلتیں لئے ہوئے ہے ۔

صفائی اور پاکیزگی : نمازی شخص صاف ستھرا اور پاکیزہ رہتا ہے ۔ وہ

اپنے جسم اور کپڑوں کو ہر آلائش سے بچاتا ہے ۔ نماز سے پہلے دھو کر نہ سونے کے

وہ حصے جو عام طور پر ننگے رہتے ہیں پانچ دفعہ دھلتے ہیں ۔ دانت صاف

کئے جاتے ہیں ، ناک میں پانی ڈالا جاتا ہے ، اس سے نہ صرف انسانی جسم

تروتازہ ہو جاتا ہے بلکہ روح کو بھی فرحت پہنچتی ہے ۔ ہمارے دین میں مسواک

سے دانتوں کی صفائی پر بہت زور دیا گیا ہے ۔ اور آج کی جدید تحقیق نے یہ

ثابت کر دیا ہے کہ کوئی منہن ، پیسٹ یا برش لکڑی کی تازہ مسواک سے بہتر

نہیں ہے ۔ اور دانت محفوظ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ انسان درجنوں بیماریوں

سے بچ گیا ۔ ناک میں پانی ڈالنے کی مصلحت ملاحظہ کریں ۔ کہ سانس کے ذریعے

سے جمع ہونے والا گرد و غبار اور جراثیم دھل جاتے ہیں ۔ اس سے بھی ہم بہت

سی بیماریوں سے محفوظ ہو جاتے ہیں ۔

صبح خیزی :- انگریزی کا ایک مشہور محاورہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ

رات کو جلدی سونے اور صبح کو جلدی اٹھنے سے انسان ، صحت مند ، امیر اور عقلمند ہو جاتا

ہے ۔ ہمارے پڑھے لکھے دوست "صبح خیزی" کے فوائد پر گفتگو کرتے ہوئے اکثر

اس کا حوالہ دیتے ہیں ، اور اس میں کوئی شک بھی نہیں ہے ۔ لیکن دیکھنے میں یہ

EARLY TO BED, EARLY TO RISE

MAKES THE MAN HEALTHY, WEALTHY, WISE

آتا ہے کہ انگریزی کی اس ضرب المثل کا حوالہ دینے والے لوگ خود اس پر عمل کچھ کم ہی کرتے ہیں۔ اور جب عمل نہیں کریں گے تو ظاہر ہے اس کے فوائد سے بھی محروم رہیں گے۔

اب ذرا دینِ فطرت، اسلام کی طرف آئیے۔ اور اس کے ستون یعنی نماز پر توجہ کیجئے۔ نمازی شخص اس محاورے کی مکمل تصویر ہوگا۔ اس کو فجر کی نماز پڑھنی ہے۔ لہذا منہ اندھیرے اٹھے گا۔ عشاء کی نماز پڑھ کر جلدی سو جائے گا۔ ظاہر ہے ایسے شخص کو ان اچھی عادات کے فوائد یعنی صحت، دولت اور عقل میں سے بھی ضرور حقد ملے گا۔

فجر کی آذان کے الفاظ پر غور کیجئے :-

الصَّلَاةُ خَيْرٌ مِّنَ النَّوْمِ

ترجمہ: نماز سونے سے بہتر ہے۔

گویا کہ نماز دینی اور دنیوی رحمتوں کے خزانوں کا منہ کھول دیتی ہے کہ آؤ جس قدر جی چاہے سمیٹ کر لے جاؤ۔

پابندی وقت :- وقت کی پابندی انسانی کامیابی کا راز ہے۔ وقت کی

پابندی نہ کرنے والا سست اور کاہل ہو جاتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اس قسم کا شخص دین و دنیا میں ناکام و نامراد ہوگا، اب نماز کی طرف آئیے۔

اس کے اوقات مقرر ہیں۔ اور وقت پر نماز کی ادائیگی کی بڑی تاکید کی گئی

ہے۔ باجماعت نماز کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اس سے انسان وقت کا پابند ہو جاتا ہے۔ اور جو شخص نماز وقت پر پڑھے گا اس کے باقی کام بھی وقت پر ہوں گے۔ یوں اس کی زندگی میں ایک طرح کا ڈسپلن اور توازن آجائے گا۔ اور یہی ڈسپلن اور توازن انسانی کامیابی کا راز ہے۔ گویا کہ نماز میں پوشیدہ رحمتیں انسان کی دنیوی زندگی پر بھی اپنا سایہ ڈالتی ہیں۔

برائی کی راہ کی دیوار۔ قرآن حکیم کی سورہ العنکبوت میں خدائے بزرگ و بزر

فرماتے ہیں کہ

إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ

ترجمہ: بلاشبہ نماز بے حیائی اور بُری باتوں سے روکتی ہے۔ (العنکبوت - 45)

گویا نماز انسان کے کردار کی اصلاح کی ضمانت ہے۔ جس نے نماز قائم کی۔ اس کے دل میں خدا کا خوف اتر آیا۔ اور جب دل میں خدا کا خوف گھر کر جائے، تو پھر

انسان بے حیائیوں اور برائیوں کے پاس بھی کیوں پھٹکنے لگا۔

تو صاحبو! نماز سے بڑی رحمت اور کیا ہو سکتی ہے۔ جو انسان کے لئے

نیکی کے قلعے کی مانند ہے۔ جو اس کے حصار میں آگیا۔ وہ شیطان کے ہروا

سے محفوظ ہو گیا۔

الفت و محبت: ایک اچھے معاشرے کے لئے یہ ضروری ہے کہ لوگوں

میں باہم محبت، پیار، خلوص اور بھائی چارہ پایا جاتا ہو، اسلام نے مسلمانوں میں یہ خصوصیات پیدا کرنے کے لئے مختلف طریقے اختیار کئے ہیں۔ جن میں سب سے اہم اور مؤثر نماز ہے۔ لوگ جب پانچ مرتبہ مسجد میں ایک دوسرے سے ملتے ہیں۔ تو باہمی تعارف حاصل ہوتا ہے۔ آپس میں محبت اور خلوص بڑھتا ہے۔ ایک دوسرے کے مسائل و مشکلات کا پتہ چلتا ہے اور مسلمان باہمی امداد اور تعاون کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔ کوئی ایک وقت مسجد میں نہ آئے تو سب کو تشویش ہوتی ہے۔ کہ خدا نخواستہ کسی مشکل میں گرفتار نہ ہو گیا ہو۔ یا پھر کہیں طبیعت خراب نہ ہو گئی ہو۔ اور لوگ۔ یوانہ دار اس کی عیادت اور حاجت روائی کے لئے لپکتے ہیں، غریبوں اور مسکینوں کو کسی کے آگے دستِ سوال دراز نہیں کرنا پڑتا بلکہ ان کے صاحبِ ثروت بھائی خود ہی اپنی تجویروں کے منہ کھول دیتے ہیں۔

اطاعت اور ڈسپلن :- نماز کے گونا گوں فیوض و برکات کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ یہ مسلمانوں میں اطاعت کا جذبہ پیدا کرتی ہے اور انہیں ڈسپلن کا عادی بناتی ہے، امیر و غریب اور شاہ و گدا کا ایک ہی صف میں کھڑے ہو جانا، دنیوی فخر و مباہات کو جڑ سے اکھاڑ پھینکتا ہے اور اللہ کے حضور مساوات کا ایک ایسا منظر پیش ہوتا ہے کہ دیگر مذاہب میں اس کی نظیر نہیں ہے۔

امام کی اطاعت سے جماعت میں نظم و نسق پیدا ہوتا ہے، جو مسلمانوں کی عملی زندگی پر بھی گہرے اثرات مرتب کرتا ہے، غرض نماز مسلمانوں کو انفرادی

ہی نہیں بلکہ اجتماعی زندگی میں بھی خداوند کریم کی بے شمار رحمتوں اور برکتوں کا ذریعہ بنتی ہے۔

دین میں تنگی نہیں

جیسا کہ قرآن حکیم کے حوالے سے بیان کیا جا چکا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہمارے لئے دین میں تنگی نہیں رکھی بلکہ ہر طرح کی آسانیاں پیدا کی ہیں۔ اور کسی شخص پر اس کی ہمت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالا جاتا۔

بنی اکرم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان قرآنی احکامات کو اپنی تعلیمات کے اندر پوری طرح سے سمودیا ہے احادیث کے مختلف مجموعے اٹھا کر دیکھ لیں۔ فرائض دین کی ادائیگی کے سلسلے میں مسلمانوں کی سہولت اور آسانی کو پیش نظر رکھا گیا ہے۔

غلو نہ کرو: نماز کے حوالے سے ہی دیکھیں۔ افضل پڑھنا عبادت ہے۔ لیکن اس کی ادائیگی میں غلو یا زیادتیاں سے منع فرمایا۔ حضور رسالت کی یہ شان اُمّت کے لئے سب سے بڑی رحمت ہے۔ انسانوں کو سختی میں ڈالے بغیر اللہ کے نیک بندے اور معاشرہ کے مفید رکن بنا دیا۔ اس قسم کی ہلکی پھلکی عبادت کا حکم اللہ ہر کوئی کر سکے۔ اللہ سے ہر کوئی براہ راست تعلق جوڑ سکے۔ اور عبادات پر کسی خاص گروہ یا فرقے کی اجارہ داری نہ ہو جائے۔

نوافل ترک : نبی کریمؐ رات کو کثرت سے نوافل پڑھتے تھے۔ رمضان

شرف میں یہ سلسلہ کچھ زیادہ ہی لمبا ہو جاتا۔ صحابہ آپؐ کو نماز میں مشغول دیکھتے تو پیچھے آکر کھڑے ہو جاتے۔ اور یوں نوافل کی باجماعت ادائیگی شروع ہو گئی۔

حضرت رسالتؐ نے ان کا یہ خضوع و خشوع دیکھا تو یہ سلسلہ ترک کر دیا۔ صحابہؓ نے اصرار کیا تو فرمایا،

”تمہارا ذوق و شوق دیکھ کر مجھے خطرہ ہو گیا کہ تم پر کہیں رات کے نوافل فرض نہ ہو جائیں۔ جنہیں تم ادا نہ کر سکو۔ اور اپنے نفسوں پر ظلم کرو۔ لہذا میں نے یہ سلسلہ ترک کر دیا۔“

جسم کا حق : حضرت عثمان بن مظعونؓ ایک صحابی تھے۔ بے حد عبادت گزار،

رات بھر نماز میں مشغول رہتے۔ جس سے جسم اکڑ جاتا اور ہاتھ پاؤں پر درم آجاتا تھا۔ نبی کریمؐ کو علم ہوا تو انہیں بھیجا اور فرمایا۔ ”عثمان تمہارے جسم کا بھی تم پر حق ہے۔ نماز بھی پڑھو اور سوؤ بھی۔“

بہر حال

اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے بارے میں روایت

رات نماز پڑھتے۔ رسول رحمتؐ نے انہیں بھی ایسا کرنے سے منع فرمایا۔

گویا کہ امت پر واضح کر دیا کہ عبادت میں افراط سے بچو اور اعتدال کی راہ اختیار کرو۔

نماز ہلکی پڑھاؤ: حضور سرور کائناتؐ کی حیات مبارکہ کا ایک ایک لمحہ

رحم و کرم سے بھرپور ہے۔ مسجد نبویؐ میں نماز پڑھاتے تو اس بات کا خیال رکھتے کہ زیادہ لمبی نہ ہو جائے۔ عورتیں بھی باجماعت نماز میں شامل ہوتی تھیں۔ نماز کے دوران اگر کسی بچے کے رونے کی آواز آتی تو قرات محقر کر دیتے تاکہ ماں کو تکلیف نہ پہنچے اور وہ جلدی خارج ہو کر بچے کو سنبھال سکے۔

اس ضمن میں آپؐ نے صحابہ کو بھی تلقین کی کہ جب تم میں سے کوئی شخص لوگوں کو نماز پڑھاٹے تو ہلکی پڑھاٹے اس لئے کہ ان میں کمزور، بیمار اور بوڑھے بھی ہوتے ہیں^۱

نماز کو باجماعت ادا کرنے کی تاکید ہے۔ اور اسے واجب قرار دیا گیا۔ لیکن ساتھ ساتھ نرمی کا پہلو بھی کار فرما رہا۔ فرمایا کہ اگر جہانی صحت مسجد تک جانے کی اجازت نہ دے یا پھر راستے میں کوئی خطرہ ہو تو گھر پر نماز پڑھ لینا بھی جائز ہے۔ یہی نہیں بلکہ اگر کوئی شخص ان وجوہات کے بغیر بھی گھر پر نماز پڑھ لے تو نماز ادا ہو جائے گی۔ البتہ وہ باجماعت نماز کے ثواب اور برکات سے محروم رہے گا۔

ساری زمین مسجد: عبادت میں آسانی کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ مسلمانوں کیلئے

ساری زمین کو مسجد بنا دیا۔ اسلام کے برعکس ہندوؤں، عیسائیوں اور یہودیوں وغیرہ

کے ہاں عبادت ایک مخصوص جگہ پر ہی ہو سکتی تھی۔ جس کی باقاعدہ تعمیر ہوتی، کوئی اسے مندر کہتا، کوئی مسجد، کوئی بت خانہ، تو کوئی کلیسا۔ لیکن حضور رحمت دو عالم نے پوری روئے زمین کو مسجد قرار دے کر نماز کی ادائیگی میں حد درجہ آسانی پیدا کر دی۔ جہاں پاک اور صاف جگہ دیکھو۔ خدا کے حضور سجدہ کر سکتے ہو۔ اینٹ اور پتھر کے معبدوں کی کوئی ضرورت نہیں۔ نماز کی ادائیگی کے لئے یہ سہولت امت مسلمہ پر بے شک اللہ اور اس کے رسول کا بہت بڑا احسان ہے۔

زکوٰۃ

مفہوم اور اہمیت: نماز کے بعد اسلام کا اہم رکن زکوٰۃ ہے۔ یہ ایک طرح کا مالی نظام ہے جس کے ذریعے ضرورت مند مسلمانوں کی امداد کی جاتی ہے زکوٰۃ ایک طرح کا صدقہ بھی ہے۔ اور یہ ہر اس مسلمان پر فرض ہے جو ایک خاص حد تک، مال و دولت، سونا، چاندی، جنس یا مال مولیشی کا مالک ہو، مختلف اشیاء کے لئے شرح مختلف ہے۔ بہر حال روپے پیسے اور زیورات پر اڑھائی فیصد سالانہ کے حساب سے زکوٰۃ دینے کا حکم ہے۔

گو مختلف بزرگوں نے زکوٰۃ کو ارکان اسلام میں مختلف درجوں پر رکھا ہے لیکن اگر بنظر غائر دیکھیں تو یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ نماز کے بعد اہم ترین فریضہ زکوٰۃ ہی ہے۔ قرآن حکیم میں جہاں جہاں نماز کا حکم آیا ہے

اس کے ساتھ ہی زکوٰۃ دینے کی تلقین کی گئی ہے، کم از کم بیس ایسے مقامات تو ضرور ہیں، خود حضور رسالتمآبؐ نے بھی اپنی احادیث میں اسے نماز کے بعد اہم ترین عبادت قرار دیا ہے۔ وجہ یہ کہ، زکوٰۃ کا تعلق حقوق العباد سے ہے۔ اس سے اللہ کے بندوں کی بھلائی ہوتی ہے۔ اور جس نے اللہ کے بندوں کو خوش کیا، اس نے اللہ کو خوش کر لیا، چنانچہ عبادات میں اسے خصوصی مقام دیا گیا ہے۔

زکوٰۃ، دیگر مذاہب میں: دیگر مذاہب کا مطالعہ کریں تو زکوٰۃ کا تصور ان کے ہاں بھی ملتا ہے۔ قرآن حکیم کی سورۃ مریم میں حضرت اسماعیلؑ کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے کہ وہ اللہ کے پسندیدہ بنی تھے اور لوگوں کو نماز اور زکوٰۃ کی تاکید کرتے تھے۔

حضرت موسیٰؑ کی امت، بنی اسرائیل پر زکوٰۃ فرض تھی، اس کا ثبوت بھی قرآن حکیم سے ملتا ہے۔ خاص طور پر سورۃ بقرہ میں اس کے متعلق واضح اشارات، موجود ہیں،

ارشاد ہوتا ہے:-

اقِمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ

ترجمہ: (ہم نے بنی اسرائیل سے وعدہ لیا تھا، کہ نماز پڑھا کرو اور زکوٰۃ دیا کرو) (البقرہ ۸۳)

سورہ مائدہ میں یوں ذکر ہے:-

لَئِنْ أَقَمْتُمُ الصَّلَاةَ وَآتَيْتُمُ الزَّكَاةَ

ترجمہ :- اے بنی اسرائیل، اگر تم نماز قائم رکھتے اور زکوٰۃ دیتے رہتے (المائدہ - 12)

عیسائیت کی طرف آئیں تو ان کے ہاں بھی زکوٰۃ کا حکم ہے۔ ثبوت قرآن حکیم ہی میں موجود ہے۔ سورۃ مریم میں حضرت عیسیٰ کو زبانی کہلوا یا گیا۔

وَأَوْصَيْنِي بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ مَا دُمْتُ حَيًّا

ترجمہ :- اور اللہ نے مجھے زندگی پھر نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے کی تاکید کی۔ (مریم - 31)

زکوٰۃ، اسلام میں

اللہ تبارک تعالیٰ کو اپنے بندوں سے بے پناہ محبت ہے۔ اس سے بھی زیادہ، جتنی کہ والدین اپنی اولاد سے کرتے ہیں، یہ لگاؤ روزِ ازل سے ہے اور ابد تک رہے گا، اسی لئے تمام انبیاء کی شریعتوں میں غریبوں اور مسکینوں کی فلاح کو یقینی بنایا گیا، لیکن اس نظام کو جو کاملیت اسلام نے دی وہ کسی اور دین کو نصیب نہ ہو سکی، باقی شریعتوں میں کہیں نہ کہیں خامی اور جھول موجود ہے لیکن شریعتِ محمدیؐ میں یہ ایک مکمل اور قابلِ عمل نظام کے طور پر سامنے آیا،

جنس یا نقدی کی صورت میں دو :- سابقہ شریعتوں میں رواج

تھا کہ زکوٰۃ مستحقین میں براہِ راست تقسیم نہیں کی جاتی تھی، بلکہ اسے بیت المال

میں جمع کر لیا جاتا تھا اور پھر کھانا پکا کر غریبوں اور مسکینوں میں بانٹ دیا جاتا تھا، نتیجہ یہ نکلا کہ مستحقین کو پیٹ بھر کر کھانا تو مل جاتا مگر ان کی دیگر ضروریات دھری کی دھری رہ جاتیں، اگر کسی کے پاس پہننے کو کپڑا نہیں، رہنے کو مکان نہیں یا مزدوری کے لئے جانور نہیں، تو اس کا کوئی پُرسانہ حال نہیں ہوتا تھا۔

حضور سرورِ کونینؐ نے اس نظام کی اصلاح فرمائی اور حکم دیا کہ زکوٰۃ غلہ یا رقم کی صورت میں مستحقین میں تقسیم کی جائے۔ تاکہ وہ جیسے مناسب سمجھیں، خرچ کریں،

اہل بیت کے لئے حرام: یہودیت میں زکوٰۃ پر نبی کے خاندان

والوں کا حق بھی تسلیم کیا گیا تھا۔ نتیجتاً انبیاء کے دور پرے کے رشتہ داروں میں محنت سے روزی کمانے کا جذبہ ختم ہو گیا۔ وہ پیر اور متولی بن کر بیٹھ گئے۔ جو صدقہ، خیرات، زکوٰۃ جمع ہوتی، خود ہضم کر لیتے اور ضرورتمند منہ دیکھتے رہ جاتے۔

حضور رحمتِ دو عالمؐ نے اس نقص کو یوں دور کیا کہ اپنے اور اپنے اہل بیت پر صدقات، خیرات اور زکوٰۃ وغیرہ کو حرام قرار دے دیا، تاکہ سب کچھ اُمت پر خرچ آئے اور کسی کی جھولی خالی نہ رہے۔

غلو کی ممانعت: حضرت عیسیٰ کی شریعت میں زکوٰۃ کے سلسلے میں

غلو سے کام لیا گیا ہے یعنی یہ کہ دولت کا کمانا اور جمع کرنا سرے سے ہی غلط ہے۔ دولت نجات کی راہ میں رکاوٹ ہے۔ اگر کوئی اللہ کا قرب چاہتا ہے تو سب سے پہلے اُسے اپنے مال و دولت سے ہاتھ دھونا پڑیں گے اور اس نقطے کو واضح کرنے کے لئے ایک بڑی خوبصورت مثال بھی دی کہ اونٹ تو سوئی کے نکتے سے گذر سکتا ہے لیکن کوئی دولت مند اللہ کے دربار میں حاضر نہیں ہو سکتا۔

روایت ہے کہ کسی دولت مند شخص نے حضرت عیسیٰ سے نجات کا طریقہ پوچھا، تو کہا

”اس کا ایک ہی راستہ ہے۔ جاؤ اپنا سب مال و اسباب بیچ ڈالو اور مسکیتوں میں تقسیم کر دو۔ پھر میرے ہمراہ آؤ تو تمہیں اس نیکی کے صلے میں آسمانوں پر خزانہ ملے گا۔“

اس شخص نے جو یہی یہ سنا، چلتا بنا، اور نجات اور بخشش کا خیال دل سے نکال دیا۔ ظاہر ہے کسی بھی دنیا دار شخص سے اس قسم کی قربانی کی توقع نہیں رکھی جاسکتی۔

بدھ مت کا بھی دولت کے ساتھ کچھ اسی طرح کا رویہ ہے، اس مذہب کے بانی جہاں مابدھ نے دنیا کو دکھوں کا گھر قرار دیا اور کہا کہ اگر نجات چاہتے ہو تو دنیا کو ترک کر کے دیرانوں اور پہاڑوں کی طرف

نکل جاؤ۔ دینی مال و دولت سے دامن چھڑالو۔ بھوک پیاس پر قابو پانا
سکھو۔ اور اگر بہت ہی بے بس ہو جاؤ تو بھیک کا پیالہ ہاتھ میں پکڑو
اور کہیں سے مانگ لاؤ۔

حضور سرور کائناتؐ نے دولت کے بارے میں اس انتہا پسندی سے
منع فرمایا، اسے خدا کی نعمت، فضل اور کرم قرار دیا۔ جائز طریقے سے
دولت کمانے اور استعمال کرنے کی حوصلہ افزائی فرمائی سب کچھ جٹا کر
گوشہ نشین ہوجانے سے منع کیا۔ زکوٰۃ کی شرح معمولی مقرر کی تاکہ کسی پر بوجھ نہ ہو۔
خیرات و صدقات میں بھی اعتدال کی تلقین فرمائی کہ غریب اور مساکین کو ضرور دوا
مگر اس احتیاط کے ساتھ کہ تمہارے اہل و عیال مفلسی کا شکار نہ ہو جائیں۔

ایک صحابی پر آخری وقت آیا۔ تو چاہا کہ مرنے سے پہلے سب کچھ اللہ کی
راہ میں خیرات کر دے۔ آپؐ کو پتہ چلا تو منع فرمایا اور کہا کہ کچھ اپنے کینے
کے لئے بھی چھوڑ جاؤ مبادا کل وہ دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے
پھریں!

زکوٰۃ کے مصارف :- زکوٰۃ کے مستحقین میں غریب، مساکین، نادار

معذور، یتیم اور بیوائیں سب شامل ہیں۔ اسے مسافروں، قیدیوں
اور غلاموں کی فلاح کے لئے بھی خرچ کیا جاسکتا ہے۔ یہ امت مسلمہ پر اللہ

اور اس کے رسول کا بڑا کرم ہے کہ یوں اس کے مستحقین کی کفالت کا مستقل انتظام ہو گیا جس معاشرے میں غریبوں، مسکینوں، یتیموں اور یتیموں کی خبرگیری کا بندوبست نہیں ہوتا، وہاں ان کی حالت قابلِ رحم ہو جاتی ہے۔ موت بس میں نہیں ہوتی اور زندگی عذاب بن جاتی ہے۔ لیکن اسلام نے زکوٰۃ اور صدقات کا مستقل مالی نظام قائم کر کے ایسے لوگوں کو معاشرے کا باعزت رکن بنا دیا۔ زکوٰۃ کو غلاموں کی آزادی کے لئے خرچ کرنے کی بھی اجازت دی۔ یوں دنیا سے اس لعنت کو ختم کرنے میں اہم کردار ادا کیا جناب رسالت اور خلفائے راشدین کے زمانے میں زکوٰۃ اور صدقات کا یہ نظام اس قدر کامیابی سے جاری تھا کہ دینے اسلام میں کوئی بھوکا نہ لگا رہا۔ اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ ڈھونڈے سے بھی خیرات یا زکوٰۃ قبول کرنے والا نہ ملتا تھا۔

عزت نفس کا خیال: انسان کی عزت نفس کا خیال رکھنے کا خاص طور پر حکم دیا، جو دینا ہے چھپا کر دو تاکہ لینے والے پر کسی قسم کا احسان نہ ہو اور نہ ہی وہ دوسروں کے سامنے شرمندہ ہو اور اس حد تک احتیاط کرو کہ دایاں ہاتھ دے رہا ہے تو دائیں کو خبر نہ ہو۔

تمائش سے بچو: دیتے وقت محض اللہ کی خوشنودی پیش نظر ہو۔ ذاتی نمود

تمائش کا دل میں خیال تک نہ آئے۔

مگر ذرا آج کے زمانے پر نظر دوڑائیں، کیا ہیں اس قسم کی احتیاط اور خلوص کہیں دکھائی دیتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ اب تو ہم نے زکوٰۃ اور خیرات کو نمود و نمائش اور تشہیر کا ذریعہ بنا لیا ہے۔ کسی حاجتمند کو دس روپے بھی دیں تو خواہش یہ ہوتی ہے کہ کسی طریقے سے اخبار میں تصویر آجائے۔ ہزار دو ہزار کا معاملہ ہو تو زبٹ میڈیو اور ٹی وی تک جا پہنچتی ہے۔ یوں بھی آج کل کے مسلمانوں کو مال و دولت کے ساتھ کچھ زیادہ ہی پیار ہے۔ زکوٰۃ ان پر گراں گزرتی ہے۔ سوچتے ہیں کہ سو میں سے اڑھائی دینے سے وہ مفلس ہو جائیں گے۔ یہ تو ان کی خام خیالی ہے۔ زکوٰۃ کی ادائیگی سے مال نہ صرف پاک ہو جاتا ہے بلکہ اللہ تبارک و تعالیٰ اس میں برکت بھی ڈال دیتے ہیں۔ لیکن ایک بات کا ہر حال میں خیال رہے کہ یہ سب کچھ محض اللہ اور اس کے رسولؐ کی خوشنودی کے لئے ہونا چاہیے۔ ضرورت مندوں کو احساندہ بنانے کی بجائے ہمیں تو سرکارِ دو جہاں کا شکر گزار ہونا چاہئے کہ جن کے صدقے امت مسلمہ پر اللہ کی بے پناہ رحمتیں اور برکتیں ہیں۔

روزہ

مفہوم :- روزہ اسلامی عبادات کا تیسرا رکن ہے۔ اور مسلمانوں پر رمضان المبارک کے مہینے کے روزے فرض ہیں۔ روزے کا مطلب یہ ہے کہ صبح صادق سے لیکر غروب آفتاب تک کھانے، پینے اور نفسانی خواہشوں سے باز رہا جائے۔ روزے

پہلی امتوں پر بھی فرض تھے اور اس عبادت کا مقصد ہمیں پرہیزگار بنانا ہے۔
قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ
مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ۝

ترجمہ :- اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں۔ جس طرح تم

سے پہلی امتوں پر فرض کئے گئے تھے۔ تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔ (البقرہ۔ ۱۵۳)

روزہ، دیگر مذاہب میں :- اگر مختلف مذاہب کی تاریخ کا مطالعہ کریں تو

ہمیں روزے کا تصور تقریباً بھی میں ملتا ہے۔ یہودیوں میں روزہ فرض ہے۔ خود
حضرت موسیٰؑ نے کوہ طور پر چالیس دن بھوکے پیاسے گزارے۔ مگردت گذرنے
کے ساتھ ساتھ ان کے پیروکاروں نے اپنی طرف سے روزوں کی تعداد میں اضافہ کر لیا۔
وہ زیادہ تر غم کے روزے رکھتے اور اپنی شکل بھی غمزہ بنا لیتے تھے۔

عیسائیوں کے ہاں بھی روزہ موجود ہے، خود حضرت عیسیٰؑ نے جنگل میں چالیس
دن کا روزہ رکھا۔ قدیم مصری، یونانی اور پارسی بھی روزہ رکھتے تھے۔

ہندوستان کے تین مذاہب قابل ذکر ہیں۔ ہندومت، جین مت، بدھ مت،

ہندوؤں میں روزہ موجود ہے لیکن یہ صرف اعلیٰ ذات کے برہمن رکھتے ہیں۔ یا
پھر دنیا سے الگ تنہا پہاڑوں اور ویرانوں میں زندگی بسر کرنے والے جوگی۔
جوگی تو باقاعدہ چترکشی کہتے ہیں یعنی چالیس دن تک کچھ نہیں کھاتے پیتے۔ جینیوں

کے ہاں بھی روزے کی شرائط بہت سخت ہیں۔ چالیس چالیس دن کی فاقہ کشی تو معمولی بات سمجھی جاتی ہے۔ یہی حال بودھوں کا ہے۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ دیگر مذاہب اور اسلام میں روزے کے تصور میں بنیادی فرق ہے۔ ان کا خیال ہے کہ اگر ہم تکلیف اٹھائیں تو خدا خوش ہوتا ہے۔

اور حسم کو جس قدر زیادہ تکلیف دی جائے گی۔ اللہ اتنا ہی زیادہ خوش ہوگا۔ اُن کے ہاں روزہ کی غیر معمولی سہکتیاں اسی وجہ سے ہیں۔ یہودیوں کی الہامی کتاب تورات میں تو روزہ کے لئے باقاعدہ "جان کو دکھ دینے" کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے۔

روزہ، اسلام میں

حضور سرور کونینؐ کی شریعت میں روزہ مسلمانوں کے لئے سراپا رحمت بنا کر پیش کیا گیا ہے۔ خود خداوند کریمؐ نے روزے کی فرضیت کے بیان کے ساتھ ہی فرمایا کہ میں تمہارے ساتھ نرمی چاہتا ہوں، سختی نہیں۔

اوقات کا تعین :- دیگر مذاہب میں روزوں کی تعداد زیادہ تھی اور اوقات

لبے تھے۔ اسلام نے تعداد کو صرف انتیس یا تیس اور وقت طلوع سحر سے غروب آفتاب تک مقرر کر دیا۔ شروع شروع میں گسری کھائے بغیر ہی روزہ رکھ لیتے تھے یا آدمی رات کے وقت سحری کھا لیتے تھے۔

حضورؐ کے زمانے کا واقعہ ہے کہ ایک صحابی نے سحری کھائے بغیر روزہ رکھ لیا۔

دن چڑھا تو بھوک اور پیاس کی شدت سے غش آگیا، آپ کو پتہ چلا تو کھائے پینے بغیر روزہ رکھنے سے سختی کے ساتھ منع کیا اور فرمایا کہ صبح کی سفیدی ظاہر ہونے تک کھایا پیا کر دو۔

قمری مہینے کی حکمت :- ہمارے اوپر اللہ اور اس کے رسولؐ کا ایک احسان

یہ بھی ہے کہ روزوں کے لئے قمری مہینہ مقرر کیا گیا۔ رمضان المبارک کے روزے رکھیں۔ خواہ یہ کسی موسم میں آئیں۔ اب یہ امت محمدی کے لئے آسانی ہے کہ یہ مہینہ کبھی گرمیوں میں آتا ہے تو کبھی سردیوں میں۔ کبھی بہار کا موسم ہوتا ہے تو کبھی خزاں کا۔ جبکہ دوسرے مذاہب میں یہ سہولت نہیں۔ وہاں تو عام طور پر روزوں کا تعین شمسی کیلنڈر کے مطابق کیا جاتا ہے۔

استثنائی صورت :- امت مسلمہ پر خدائے بزرگ و بڑے کا ایک کرم یہ بھی

ہے کہ عبادت میں استثنائی صورت کی گنجائش رکھی گئی ہے۔ روزہ ہی کو لیں، یہودیوں کے ہاں اس سلسلہ میں بے حد سختی تھی کہ مرد، عورت، چھوٹے، بڑے، مقیم، مسافر، تندرست، بیمار بھی رکھیں۔ کسی کو کسی صورت میں معافی نہیں، اگر کوئی نہیں رکھے گا تو کٹ جائے گا یا قتل ہو جائے گا ان کے ہاں تو ایک اور عجیب رواج تھا کہ اگر کوئی غیر یہودی بھی روزوں کے دنوں ان کی بستی میں آجاتا تو اسے بھی لازمًا روزے رکھنے پڑتے تھے۔

اس کے برعکس دین اسلام کی فطرت شناسی ملاحظہ ہو کہ ایسی کوئی پابندی

نہیں لگائی، بلکہ اجازت دی کہ بیمار، مسافر، دودھ پلانے والی عورت اور کمزور شخص اگر چاہے، تو روزہ قضا کر سکتا ہے۔ اور رمضان کے بعد جب چاہے چھوڑے ہوئے روزے پورے کر لے۔

جو کوئی شدید بیمار ہو، صحت کی بھی امید نہ ہو تو وہ ایک مسکین کو دو وقت کا کھانا کھلا کر روزے کا ثواب حاصل کر سکتا ہے۔ سبحان اللہ! حضور سرور دو جہاں کی اُمت کے ساتھ یہ سہولت کچھ کم نہیں ہے۔

بھول چوک معاف: اور آگے چلیں۔ رسولِ رحمتؐ نے اپنی اُمت کے لئے بھول چوک اور خطا و لسیاں کو بھی معاف فرمادیا۔

حدیث مبارک ہے:

جو بھول کر کھائے یا پئے تو اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا، کہ یہ تو خدا ہی کی روزی تھی!

اس کے علاوہ اگر کوئی ایسی بات ہو جائے جس پر انسان کا بس نہیں تو روزہ برقرار رہتا ہے، مثال کے طور پر جان بوجھ کر قے کرنے سے روزہ ٹوٹ جائے گا۔ جبکہ یہی قے اگر اپنے آپ ہو جائے تو روزے پر کوئی آنچ نہیں آتی۔

غور کیجئے۔ اگر یہ آسانی نہ ہوتی تو بعض اوقات کس قدر زحمت اٹھانا پڑتی

گناہوں کا کفارہ : انسان خطا کا پتہ ہے۔ ہزار احتیاط کے باوجود غلطی کر بیٹھتا ہے۔ اگر یہی غلطی دین کے معاملے میں ہو جائے تو گناہ بن جاتی ہے۔ آخرت کی نجات کے لئے ضروری ہے کہ گناہ کم سے کم سرزد ہوں۔ لیکن اگر دانستہ یا نادانستہ طور پر ایسا ہو جائے۔ تو ہمارے مذہب میں اس کا کفارہ بھی موجود ہے۔

○ مثال کے طور پر اگر کوئی شخص قسم کھائے اور پھر جان بوجھ کر توڑ دے تو اس پر لازم ہے۔ دس مسکینوں کو کھانا کھلائے یا ایک غلام کو آزاد کرے۔ اگر یہ نہ کر سکے تو تین دن کے روزے رکھے۔

○ حج میں احرام کھولنے سے پہلے سر منڈانا منع ہے، اگر کسی وجہ سے ایسا کرنا پڑ جائے تو کفارہ کے طور پر روزہ رکھنے کا حکم ہے۔

○ حج کے دنوں میں شکار کرنا منع ہے اگر کوئی جان بوجھ کر ایسا کرے تو اسے اُسی طرح کے کسی جانور کی قربانی دینا پڑتی ہے، اگر یہ نہ ہو سکے تو مسکینوں کو کھانا کھلائے یا پھر روزے رکھے۔

گویا کہ دیگر فیوض و برکات کے ساتھ ساتھ روزہ گناہوں سے نجات کا ذریعہ بھی ہے۔

اصلاح معاشرہ کا باعث ہر روزے سے معاشرے کی اصلاح ہوتی

ہے۔ روزہ محض مہوک اور پیاس برداشت کرنے کا نام نہیں، بلکہ اس کا مقصد

مسلمانوں کو پر امن اور مہذب شہری بنانا بھی ہے۔

حضور سرورِ کونینؐ نے فرمایا کہ روزہ برائیوں کے خلاف ڈھال کا کام دیتا ہے لیکن یہ اسی وقت تک کام دیتی ہے جب تک اس میں سوراخ نہ ہو جائے صابہؓ نے پوچھا یا رسول اللہ! اس میں سوراخ کیسے ہوتا ہے۔ فرمایا جھوٹ اور غیبت سے۔

پھر فرمایا کہ روزہ دار کو بے ہودہ اور فحش باتیں سن کر ناچا ہئیں۔ لڑائی جھگڑے سے پرہیز کرنا چاہیے۔ یہاں تک کہ اگر کوئی اسے گالی بھی نیک دے تو جواب نہ دے اور سرت اٹاکہ دے کہ بھائی میں روزے سے ہوں۔

یہ تو تصویر کا ایک ارتعاش ہے۔ روزے کی برکت سے جس معاشرے سے جھوٹ، غیبت، لڑائی، جھگڑا اور گالی گلوچ ختم ہو جائے تو پھر اس سرزمین پر توجہ کو بھی رشک آئے گا۔

اب ذرا دوسرا پہلو ملاحظہ فرمائیں۔ دیگر عبادات کی طرح روزے میں بھی غریبوں اور مسکینوں کا بہت خیال رکھا گیا ہے۔ روزے کا بنیادی فلسفہ یہ ہے کہ روزوں میں ایک وقت کا خود کھاؤ اور دوسرے کا کسی مسکین کو دے دو، یہی نہیں بلکہ جن لوگوں کو روزہ کی چھوٹ ہے، انہیں حکم دیا کہ اس سہولت کے بدلے میں مسکینوں کو کھانا کھلائیں۔

گویا روزے نے ایک طرف سماجی امن کا خیال رکھا تو دوسری طرف

حاجتمندوں کی معاشی ضرورت کو بھی نظر انداز نہیں کیا۔

سبحان اللہ! اسے کہتے ہیں۔ ہم خرما و ہم ثواب! عبادت کا منشا بھی پورا ہو گیا اور دنیوی فلاح بھی پالی۔

طبی پہلو: روزہ بنیادی طور پر عبادت کی ایک شکل ہے۔ اور اس کا

مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا کا حصول ہے۔ لیکن جدید تحقیق نے اس کے گوناگون طبی

فوائد کو بھی تسلیم کیا ہے۔ ماہرین کہتے ہیں کہ بعض بیماریوں میں انسان کا بھوکا رہنا بھی

صحت کے لئے ضروری ہوتا ہے۔ سال میں ایک ماہ کے روزے ہمیں

تندرست و توانا رکھتے ہیں، آج کے جہذبہ دور میں لوگ جسم کو مناسب رکھنے

کے لئے بھوکے رہتے ہیں اور اسے ڈائٹنگ² کا نام دے رکھا ہے۔ خدائے

بزرگ و برتر اور اس کے رسول کا امت مسلمہ پر کس قدر احسان ہے کہ جسم کی اس

ضرورت کو عبادت کا درجہ دے دیا ہے۔

افراط کی ممانعت، آخر میں یہ بیان کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ

روزے کے سلسلے میں بھی اللہ اور اس کے رسولؐ نے توازن اور اعتدال کی تلقین

کی ہے۔ افراط سے منع کیا ہے۔

احادیث کی کتب میں کئی ایسے واقعات ملتے ہیں۔ جب رسولؐ خدا نے

روزے کے سلسلے میں اپنی جانوں پر سختی کرنے سے منع فرمایا۔ یہاں پر

۱۔ فارسی محاورہ۔ ترجمہ، آم کے آم گٹھیوں کے دام

2. DIETING

صرف دو واقعات پر اکتفا کیا جا رہا ہے۔

۱۔ حضرت عبداللہ بن عمروؓ نہایت عبادت گزار صحابی تھے۔ اکثر روزے سے رہتے۔ بیوی بچوں کا کوئی خیال نہیں تھا۔ آپ کو پتہ چلا تو بلا بھیجا اور پوچھا کہ کیا یہ خبر درست ہے۔ تصدیق ہو جانے پر فرمایا کہ تم پر تمہارے جسم اور بال بچوں کا بھی حق ہے۔ چھینے میں تین روزے رکھ لیا کرو۔ عبداللہؓ نے عرض کی یا رسول اللہ! مجھ میں اس سے زیادہ سکت ہے۔ تو فرمایا اچھا پھر ہر تیسرے روز روزہ رکھو۔ عبداللہؓ نے اصرار کیا کہ اس میں اس سے بھی زیادہ طاقت ہے تو فرمایا ایک دن افطار کرو اور ایک دن روزہ رکھو۔ اس سے زیادہ ہرگز نہ کرنا۔

2۔ دوسرا واقعہ قبیلہ بابلہ کے ایک شخص کا ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر ہدایت پائی۔ دل پر کچھ اس قدر اثر ہوا کہ دن رات عبادت میں ایک کر دیئے۔ زیادہ زور روزوں پر تھا۔ برابر روزے رکھتا تھا مسلسل فاقہ کشی سے صحت جواب دے گئی۔ بال سفید ہو گئے اور اچھا بھلا صحت مند شخص بڑیوں کا ڈھانچہ بن گیا۔ سال بعد دوبارہ جناب رسالت کی خدمت میں حاضر ہونے کا موقع ملا تو آپ کو پہچاننے میں دشواری پیش آئی تعارف کرائے جانے پر فرمایا تم تو اچھے خاصے صحتمند اور خوب صورت انسان

تھے۔ یہ نہیں کیا ہو گیا۔ جب پتہ چلا کہ یہ حالت مسلسل روزوں کی وجہ سے ہوئی ہے تو فرمایا اپنی جان کو اس قدر عذاب میں کیوں ڈالتے ہو؟ اگر زیادہ ہی شوق ہے تو رمضان کے علاوہ ہر مہینے ایک دن کا روزہ رکھ لیا کرو۔

حج

مفہوم اور اہمیت :-

حج اسلامی عبادات کا چوتھا رکن ہے۔ اس کے لفظی معنی ارادہ کے ہیں اور اس کے اصطلاحی معنی یہ ہیں کہ اسلامی کیلنڈر کے آخری مہینے "ذی الحج" کے پہلے عشرے میں سعودی عرب کے شہر مکہ معظمہ جائیں اور شہر کے مختلف مقدس مقامات پر عارضی دیکر کچھ افعال اور عبادات مخصوص طریقے سے انجام دیں۔ ان میں خانہ کعبہ کا طواف اور قربانی بھی شامل ہے۔ حج ایک فرض عبادت ہے۔ بے پناہ روحانی، سماجی، معاشی، سیاسی اور اخلاقی فوائد کی حامل ہے، لیکن اس کی فرضیت کے سلسلے میں بھی اُمت کی سہولت کا خیال رکھا گیا ہے، اور یہ صرف اس عاقل اور بالغ مسلمان پر فرض ہے جو زادِ راہ رکھتا ہو، اس کا مطلب یہ ہے کہ گھر کے ضروری اخراجات کے علاوہ اس کے پاس اس قدر رقم ہو کہ حج پر جاسکے، پھر یہ عبادت زندگی میں صرف ایک بار فرض ہے۔

اسلامی اصلاحات کی سلسلہ ج

دیگر عبادات کی طرح حج کا تصور بھی قدیم مذاہب میں موجود تھا لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ لوگوں نے حج کو عجیب و غریب رسومات کا مجموعہ بنا لیا تھا، عبادت کرنے کی بجائے وہ اس موقع پر اپنے آباء اجداد کے قصے فخریہ انداز میں بیان کرتے۔ اسلام نے لوگوں کو ان فضول باتوں سے منع کیا اور حکم دیا کہ اس مبارک موقع پر اپنے آباء اجداد کی بجائے اللہ کا ذکر کرو، اور اسی میں تمہاری بھلائی ہے۔

قربانی کا گوشت جائز ہے۔

اسلام سے پہلے لوگ قربانی کے گوشت کو استعمال میں لانا گناہ سمجھتے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ قربانی چونکہ اللہ کے لئے کی گئی ہے۔ لہذا اس سے کسی قسم کا فائدہ نہیں اٹھانا چاہیے۔ یہود میں تو رسم تھی کہ گوشت جلا دینے اور خون خانہ کعبہ کی دیواروں پر مل دیتے۔

حضور سرور کونینؐ نے ان فضول رسموں کا خاتمہ کیا اور لوگوں کو بتایا کہ قربانی کا گوشت کھانا، گناہ نہیں، بلکہ ثواب ہے اور اس کا تو مقصد ہی یہ ہے کہ اگر اسے اللہ کے بندوں کی صیافت ہو۔ وہ نادار مسلمان جنہیں یہ نعمت عام دنوں میں نصیب نہیں ہوتی حج کے موقع پر دل کھول کر کھائیں۔ یہی نہیں اگر

سکھا کر محفوظ بھی کر لیں تو کوئی حرج نہیں۔ نیز اُمت پر یہ بھی واضح کر دیا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کو قربانی کے خون اور گوشت سے کوئی سرور کار نہیں، وہ تو محض تمہاری نیت اور نیکی کو دیکھتے ہیں۔

اذیت بے فائدہ ہے۔ جیسا کہ پچھلے صفحات میں بیان کیا جا چکا ہے، اسلام سے قبل لوگوں نے سختی اور اذیت کو عبادت کا لازمی جزو بنالیا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ جب تک تکلیف نہ اٹھائی جائے، اللہ راضی نہیں ہوتا۔ روزے کی طرح حج میں بھی اذیت کا یہ تصور کچھ زیادہ ہی موجود تھا۔ اچھے بھلے کھاتے پیتے لوگ پیدل حج پر جاتے، جانور ہمراہ ہوتا لیکن سواری نہ کرتے۔ مقصد یہ کہ اپنی جان کو زیادہ سے زیادہ مشقت میں ڈالا جائے۔ نبی رحمت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس قسم کے ٹوٹکوں سے منع فرمایا۔

سوار ہو کر جاؤ۔ (۱) ایک دفعہ آپ نے ایک نہایت ضعیف آدمی کو دیکھا کہ چلنے پھرنے سے لاچار ہے۔ بمشکل ٹانگیں گھسیٹ رہا ہے۔ دو جوان بیٹے ہمراہ ہیں۔ باپ کو بازوؤں سے تھاما ہوا ہے، مبادا کہیں گر جائے۔ لطف کی بات یہ کہ ایک خالی اونٹ پیچھے چلا آ رہا ہے۔ حضور نے یہ منظر دیکھا تو حیران ہوئے۔ بزرگ آدمی کے پاس گئے اور پوچھا بابا جی! کیا ماجرا ہے اپنے آپ کو اس قدر اذیت میں کیوں ڈال رکھا ہے۔ بوڑھا بولا، جناب! پیدل حج کرنے کی منت مانی تھی۔ لہذا اس حال میں پوری کر رہا ہوں۔

حضور سرورِ کونین^۱ نے اظہارِ افسوس کیا اور فرمایا، اللہ اس سے بے نیاز ہے کہ کوئی اپنی جان کو عذاب میں ڈالے، ناشکر گزاری کیوں کرتے ہو، سواری ہمراہ ہے تو سوار ہو کر جاؤ^۲۔

(۲) اسی طرح قربانی کے جانور پر سواری کو بھی مہیوب خیال کیا جاتا تھا۔ آپ نے ایک شخص کو دیکھا کہ پا پیادہ جا رہا ہے اور خالی اونٹ ہمراہ ہے دریافت کیا تو عرض کی یا رسول اللہ! جج پر جا رہا ہوں، یہ قربانی کا اونٹ ہے۔ ڈرتا ہوں کہ اس پر سوار ہونے سے کہیں گہنگار نہ ہو جاؤں، آپ نے اس کے اس و سو سے کو دور کیا اور تین بار تاکید فرمائی کہ خانہ کعبہ تک اونٹ پر سوار ہو کر جائے^۳۔

بے فائدہ پریشانی:۔ اس قسم کی فضول رسومات میں عورتیں بھی مردوں سے پیچھے نہ تھیں۔ ایک مرتبہ آپ نے حج کے موقع پر ایک خاتون کو دیکھا کہ دیوانوں کی حالت بنا رکھی ہے۔ بال کھلے ہیں اور مٹی سے اُٹے ہوئے ننگے پاؤں عجیب پریشانی کے عالم میں چلی جا رہی ہے، پوچھنے پر پتہ چلا کہ یوں حج کرنے کی منت مانی تھی۔ حضور سرورِ کائنات^۴ نے فرمایا، کہ خدا اس پریشان حالی کا تو کوئی معاوضہ نہیں دیگا۔ اُسے چاہیے کہ سر کو دوپٹے سے ڈکے اور سوار ہو کر جائے^۵۔

نکیل کٹوا دی :- حج کے موقع پر لوگ اپنے آپ کو عجیب عجیب طریقوں سے تکلیف پہنچاتے تھے۔ ایک دفعہ رسول خداؐ نے ایک شخص کو دیکھا کہ ناک میں نکیل ڈالی ہوئی ہے۔ رشتی دوسرے آدمی نے تھام رکھی ہے۔ زخم سے خون بہہ رہا ہے۔ اور یوں وہ ہنایت اذیت کی حالت میں طواف کر رہا ہے۔ آپؐ نے سخت ناگواری کا اظہار فرمایا اور نکیل کٹوا دی

شکجہ کھلوا دیا :- پھر آپؐ نے ایک مرتبہ دو آدمیوں کو دیکھا کہ رک شکنے میں اکٹھے بندھے طواف کر رہے ہیں۔ پوچھنے پر پتہ چلا کہ یوں حج کرنے کی سنت مانی تھی۔ آپؐ نے شکجہ کھلوا دیا اور ایسی منیتیں مانتے سے منع فرمایا۔

یوں جناب مصطفیٰؐ نے حج کو جملہ توہمات اور غلط رسومات سے آزاد کر کے اسے اپنی امت کے لئے برکتوں اور رحمتوں کا ذریعہ بنا دیا۔

حج میں تجارت جائز ہے :- اللہ اور اس کے رسولؐ کا مسلمانوں پر یہ خاص کرم ہے کہ امت کی معاشی ضرورتوں کو کبھی فراموش نہیں کیا گیا۔

دین اور دنیا کو یوں ساتھ ساتھ رکھا ہے کہ تمیز کرنا مشکل ہو جاتی ہے۔ زمانہ

جاہلیت میں حج کے دنوں تجارت منع تھی۔ اسلام آیا تو یہ بندش ختم ہو گئی۔

حکم ہوا کہ حج کے زمانے میں بھی اللہ کا فضل تلاش کر سکتے ہو۔ یعنی کاروبار

اور تجارت وغیرہ کر سکتے ہو۔ نتیجہ یہ نکلا کہ حج کی رونقوں میں اضافہ ہو گیا،

اور تجارتی منڈیاں بھی سونی نہ ہوئیں۔

اسلام کو دینِ کامل یونہی نہیں کہتے۔ انسان کی جسمانی، ذہنی، روحانی، معاشی اور جذباتی ضروریات کا خیال جس قدر اس دین نے رکھا۔ باقیوں میں اس کا عرصہ خیر بھی نہیں۔ اور یہ سب ہمیں اس لئے نصیب ہوا کہ ہم سرورِ کائنات، رحمتِ دو عالم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اُمت میں سے ہیں یہ محض اسی نسبت کا صدقہ ہے کہ ہم پر خدائے بزرگ و برتر کی اس قدر رحمتیں، برکتیں، نوازشیں اور مہربانیاں ہیں۔

ساتواں باب



رحمۃ اللعالمین



رحمۃ للعالمین

رحمت کیا ہے۔ لغت میں رحمت کے بنیادی معنی نرم دلی اور محبت کے ہیں۔ اللہ مبارک و تعالیٰ کے ثنائی صفاتی ناموں میں سب سے زیادہ استعمال ہونے والے نام رحمن (بہت رحم والا) اور رحیم (درجہ سے بھرا ہوا) ہیں۔ ہم ہر اچھا کام کرنے سے پہلے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھتے ہیں کبھی آپ نے اس کے معانی پر غور کیا۔

”شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بہت مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے“ گویا کہ بِسْمِ اللّٰهِ ، الرَّحْمٰنِ اور رَحِیْمِ کی تفسیر ہے ، اور یہ دونوں صفات بڑی حد تک ہم معنی ہیں۔ قرآن حکیم میں جگہ جگہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی ان صفات کا ذکر ہوتا ہے۔ سورہ ”حشر“ میں ارشاد ہوتا ہے۔

هُوَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

ترجمہ: وہی رحم والا مہربان ہے۔

مسلمانوں کو تلقین کی کہ اپنی دعاؤں میں اپنے مالک و خالق کو یوں یاد کریں۔

وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّاحِمِينَ

ترجمہ :- اور تو رحم کرنے والوں میں سب سے افضل ہے (مومنون - 6)

فرشتے اپنی دعاؤں میں اللہ کو مخاطب کر کے کہتے ہیں -

رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَعِلْمًا -

ترجمہ :- اے ہمارے پروردگار، تو نے اپنی رحمت اور علم میں ہر چیز کو

سویا ہے -

اور پھر اللہ تعالیٰ سورۃ الاعراف میں فرماتے ہیں -

وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ

ترجمہ :- میری رحمت دنیا کی ہر چیز کو گھرے میں لئے ہوئے ہے -

قرآن حکیم میں 'رحمت' کا لفظ اپنے بنیادی معنوں کے علاوہ مبارکی معنوں

میں بھی استعمال ہوا ہے - اے مغفرت، لطف و احسان انہی، رزق، نبوت،

ہدایت اور علم وغیرہ کے معنوں میں بھی استعمال کیا گیا ہے - اس کے علاوہ

ایک جگہ پر بادلوں کو اللہ کی رحمت اور خود قرآن حکیم کو شفا اور رحمت کے نام

سے یاد کیا گیا ہے - گویا کہ رحمت ایک وسیع اصطلاح ہے اور دنیا بھر کی

نیکیوں اور اخلاقِ حسنہ کو اپنے دامن میں سیٹے ہوئے ہے -

منہج رحمت، خدا کی ذات ہے :- یہاں یہ بات یاد رکھنے کے قابل

ہے کہ دنیا بھر میں ہمیں جہاں کہیں بھی بھلائی نیکی اور رحمت کے آثار نظر آئیں، تو

سمجھیں کہ یہ خدائے بزرگ و برتر کی شانِ رحیمی اور کریمی کا پرتو ہیں یعنی عکس یا سایہ ہیں۔

حدیث شریف میں ہے کہ

”خدائے رحمت کے سو ٹکڑے کئے، تانوں سے اپنے پاس رکھ لئے اور صرف ایک ٹکڑا زمین پر بھیجا، اور یہ اسی ایک ٹکڑے کی برکت ہے کہ لوگ آپس میں رحیم اور شفیق ہیں، یہاں تک کہ کھوڑا اس خوف سے اپنے بچے پر پاؤں نہیں رکھتا، کہ کہیں اسے تکلیف نہ پہنچ جائے۔“

یہ اللہ کی شانِ رحیمی ہی ہے کہ اسے اپنے بندوں سے بے پناہ محبت ہے بچے سے ماں کی محبت مثالی ہوتی ہے۔ لیکن ذاتِ حق کو اپنے بندوں سے اس سے بھی زیادہ محبت ہے۔ وضاحت کے لئے ایک حدیث شریف نقل ہے کہ ”لڑائی کا میدان گرم ہے، دشمنوں میں صباگ دوڑ مچی ہوئی ہے ہر کوئی جان بچانے کی نگر میں ہے۔ اس نفسا نفسی کے عالم میں بھائی، بھائی سے ماں، بچے سے اور بچہ ماں سے الگ ہے۔ ایسے میں ایک عورت کا بچہ گم ہو جاتا ہے۔ ممتا کی ناری ماں غم سے نڈھال ہے۔ ہر سامنے آنے والے بچے کو اپنا بچہ سمجھ کر صدقے داری جاتی ہے اور دودھ پلانے کے لئے پکتی ہے، گویا کہ دیوانی ہو رہی ہے۔ حضور سرورِ کونینِ یرقت انگیز منظر دیکھتے ہیں

تو صحابہ سے مخاطب ہو کر پوچھتے ہیں کہ کیا یہ عورت اپنے ہاتھوں اپنے بچے کو آگ میں ڈال سکتی ہے۔ صحابہؓ نے عرض کی یا رسول اللہ یہ قطعی نامکن ہے وہ تو اس کی تلاش میں باؤلی ہوئی جا رہی ہے۔ وہ بعد ایسا کیونکر کر لے گی۔ حضور رسالتاً نے فرمایا۔ یاد رکھو! جتنی محبت ماں کو اپنے بچے سے ہے، خدا کو اپنے بندوں سے اس سے کہیں زیادہ ہے۔

کچھ عرصہ بعد کا واقعہ ہے کہ آپؐ ایک غزوہ سے واپس تشریف لارہے تھے۔ راہ میں ایک عورت ملی، گود میں بچہ اٹھائے ہوئے تھی۔ اس کی طرف اشارہ کر کے کہنے لگی، یا رسول اللہ! کیا یہ درست ہے کہ ایک ماں کو اپنی اولاد سے جس قدر محبت ہوتی ہے۔ اللہ کو اپنے بندوں سے اس سے کہیں زیادہ ہوتی ہے۔ آپؐ نے فرمایا، بے شک یہ درست ہے۔ اس پر خاتون بولی مگر کوئی ماں تو اپنی اولاد کو آگ میں ڈالنا گوارا نہیں کر سکتی۔

اشارہ واضح تھا، یعنی اگر اللہ کو اپنے بندوں سے ان کی ماؤں سے بھی زیادہ محبت ہے، تو پھر دوزخ کا عذاب کیوں؟ اور جہنم کا خوف کیوں؟ یہ سن کر آپؐ تڑپ اُٹھے، آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، گھٹنوں پر سر رکھ لیا۔ تھوڑی دیر بعد چہرہ مبارک اوپر کیا اور فرمایا، خدا صرف اس شخص کو عذاب دیگا جو سرکش ہے، ایک کو دو کہتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات باریکات میں کسی دوسرے کو شامل کرتا ہے؟

اللہ تبارک و تعالیٰ کی شانِ رحیمی کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ ہمارے عیبوں اور گناہوں کی پردہ پوشی کرتا ہے۔ انجانے میں سرزد ہونے والی کوتاہیوں اور لغزشوں سے درگزر فرماتا ہے۔ پھر انسان پر سے گناہوں کا بوجھ ہلکا کرنے کے لئے توبہ کی راہ بھی دکھادی۔ سچے دل سے کی گئی توبہ بڑے سے بڑے گناہ سے معافی کا ذریعہ بن سکتی ہے۔

سب انبیاء رحمت ہیں۔ خدائے بزرگ۔ برتر کی شانِ رحیمی اور

کہی کے اس بیان کے بعد یہ نکتہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ہر بنی اپنی قوم کیلئے رحمت بن کر آتا ہے۔ ظلمت اور جہالت میں بھٹکتی قوم کو سیدھی راہ دکھاتا ہے۔

اللہ کی ہدایت کو اس کے بندوں تک پہنچاتا ہے۔ بنی کے وجود کی برکت سے

بھٹکی ہوئی مخلوق راہِ راست پر آجاتی ہے۔ اللہ اور بندوں کے درمیان

رابطہ قائم ہوتا ہے۔ اور پھر خالق و مالک کی بے شمار نعمتیں ان کا مقدر بن جاتی

ہیں۔ جن میں سب سے اعلیٰ و افضل ہدایت ہے۔ جسے پاکر وہ دین و دنیا

میں سرخرو ہوتے ہیں، پس ثابت ہوا کہ تمام انبیاء کرام اپنے اپنے وقتوں

میں اپنی امتوں کی طرف رحمت بن کر آئے۔

رحمۃ للعالمین۔ حضور بنی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سراپا رحمت ہیں۔

آپ کی رحمت اور سابقہ انبیاء کی رحمت میں فرق ہے، کہ وہ خاص امتوں اور

خاص زمانوں کے لئے مبعوث ہوئے تھے، جبکہ حضور سرور کونینؐ کی ذات

اقدس تمام جہانوں ، سب امتوں اور سب زمانوں کے لئے ذریعہ ہدایت ہے ۔ آپؐ آخری نبی ہیں ، اور قیامت تک کائنات آپؐ کے سایہ رحمت میں رہے گی ۔ آپؐ کی رحمت دنیا میں بسنے والے سب لوگوں کے لئے ہے ۔ خواہ وہ کسی رنگ و نسل ، یا مذہب و ملت سے تعلق رکھتے ہوں ۔ مومن و کافر بھی اس کے دامن میں پناہ لئے ہوئے ہیں ۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ آپؐ بیک وقت مومنوں اور کافروں کے لئے رحمت کیسے بن گئے ۔ وہ یوں کہ مومنوں کو آپؐ کے ذریعے سیدھی راہ نصیب ہوئی وہ آپؐ کی تعلیمات پر ایمان لائے اور نجات پا گئے ۔

کافروں کے لئے رحمت ہونے کا مطلب یہ ہے کہ ان پر سے وہ عذاب اور آزمائشیں ہٹا دی گئیں ، جو رسولوں کی نافرمانی پر پہلی امتوں پر نازل ہوتی تھیں ۔ پہلے تو یوں ہوتا تھا ، کہ ادھر کسی اُمت نے رسول کو جھٹلایا یا خدا کے احکامات کی نافرمانی کی ۔ ادھر عذاب نے آلیا ۔ قرآن حکیم کا مطالعہ کریں تو بہت سی ایسی قوموں اور اُمتوں کا پتہ چلتا ہے جو اپنی نافرمانیوں اور گستاخیوں کی وجہ سے تباہ و برباد ہو گئیں ۔

قرآن حکیم میں حضور نبی اکرمؐ کی شان رحمت کا جگہ جگہ ذکر ہے ۔

سورۃ توبہ میں ارشاد ہوتا ہے ۔

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ

حَرِّمُوا عَلَيْكُمْ يَا الْمُؤْمِنِينَ رَفُوفٌ رَحِيمٌ ۝

ترجمہ:- تمہارے پاس اللہ کے ایک رسول آئے ہیں۔ جو تمہیں میں سے ہیں، تمہارے رنج و پریشانی سے انہیں بہت تکلیف ہوتی ہے، وہ تمہاری بھلائی کے لئے ہی خواہشمند ہیں۔ وہ مومنوں کے لئے سراپا شفقت اور رحمت ہیں۔

(مومنوں کے لئے ہی نہیں بلکہ حضور کا دل تو کفار کے لئے بھی کڑھتا ہے)

سورۃ کہف میں ارشاد ہوتا ہے۔

فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَفْسَكَ عَلَىٰ آثَارِهِمْ إِنْ لَمْ يُؤْمِنُوا
بِهَذَا الْحَدِيثِ أَسَفًا

ترجمہ:- کہ اے نبی! آپ کی حالت تو ایسی ہوگئی ہے کہ اگر یہ لوگ بات نہ ماننے،
یعنی ایمان نہ لائے، تو آپ افسوس کے مارے، ان کے پیچھے اپنی جان کو بھی ہلاکت
میں ڈال دیں گے۔ کہف - ۱۶

تمام دنیا کے لئے رحمت ہونے کی بشارت بھی قرآن حکیم ہی میں ملتی ہے
سورۃ انبیاء کی بہت ہی مشہور آیت ہے۔

وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ،

ترجمہ:- (اے نبی!) ہم نے آپ کو تمام دنیا کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے (انبیاء- ۱۰۷)

قرآن حکیم کے ساتھ ساتھ بے شمار احادیث میں بھی حضور کی شانِ رحمت کا
ذکر ملتا ہے۔

ایک دفعہ حضرت رسول اکرمؐ سے مشرکین کے لئے بددعا کرنے کے لئے کہا گیا۔ آپؐ نے فرمایا کہ میں اس لئے نہیں بھیجا گیا کہ لوگوں پر لعنت بھیجوں بلکہ میں تو رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں! (تفصیلات باب رسول رحمت۔ دشمنوں کیلئے میں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔)

ایک اور حدیث مبارک ہے کہ حضورؐ نے فرمایا مجھے اللہ نے تمام جہانوں کے لئے رحمت اور ذمہ داری محسوس کرنے والوں کے لئے نور ہدایت بنا کر بھیجا ہے۔ حضور نبی کریمؐ نے رحمت کی اس صفت کو اپنی امت کے لئے بھی پسند فرمایا اور مسلمانوں کو تلقین کی اسے اپنی روزمرہ زندگی کا خاصہ بنائیں۔ قرآن حکیم میں بھی مومنین کی یہ صفت بیان کی گئی ہے کہ وہ آپس میں رحم دل اور کافروں کے لئے سخت ہوتے ہیں^۲۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ :- یہاں پر ایک غلط فہمی کا ازالہ ضروری محسوس ہوتا ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ حضور سرور کونینؐ کی فطرت میں نفرت، غصے اور انتقام کے جذبات سرے سے موجود ہی نہیں تھے، یہ محض غلط فہمی ہے، جناب رسالتؐ کی طبیعت میں غصہ موجود تھا اور اس کا ثبوت بھی ہمیں ایک حدیث ہی سے مل جاتا ہے۔

حضرت سلمانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہؐ نے فرمایا کہ اگر میں نے اپنی انت میں سے کسی شخص کو غصے میں برا بھلا کہا یا لعنت ملامت کی، تو واضح رہے کہ میں بنی آدم، ہوں۔ مجھے بھی تمہاری طرح غصہ آتا ہے، البتہ میں تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

مطلب یہ ہوا کہ جناب رسالتؐ نفرت، غصے اور انتقام کے جذبات کو پوری طرح محسوس کرتے تھے۔ لیکن شانِ رحمت کا تقاضا یہ تھا کہ روزِ مرہ زندگی میں ان کا عمل دخل نہ ہو۔ آپؐ کو زندگی میں غصہ ضرور آیا، مگر لپٹا، نفرت کے مقامات بھی آئے۔ لیکن اسے محبت میں بدل دیا۔ ایسے مواقع بھی آئے کہ انتقام بنتا بھی تھا اور لینے کی قدرت بھی تھی۔ مگر معاف کر دیا۔ ان جذبات پر یوں قابو پالینا، حضور سرورِ کونینؐ ہی کا حصہ ہے۔ اور یہ آپؐ کی شانِ رحمت کا تقاضا ہی نہیں، جزوِ لازم بھی ہے۔

رحمۃ للعالمین غیروں کی نظر میں

خدا کے بزرگ و برتر کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ہمیں اسلام کی دولت سے

۱۔ ابوداؤد۔ شارحین حدیث اس بات پر متفق ہیں کہ یہ حدیث کسی خاص واقعے کی تصدیق یا تردید کے لئے نہیں اور نہ ہی اس سے یہ مطلب لیا جاسکتا ہے کہ جناب رسالتؐ نے واقعی کسی پر لعنت ملامت کی۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ آپؐ کے رحمۃ للعالمین ہونے سے آپؐ کی بشریت کی تنہی نہیں ہوتی۔

مالا مال کیا، حضور سرور کونینؐ کا اُمّی بنایا۔ جناب رسالتؐ کے ساتھ یہ رشتہ ایک عظیم نعمت سے کم نہیں۔ اس کے لئے ہم ذاتِ حق کے جس قدر احسان مند ہوں، کم ہے۔

ہر مسلمان حضور سرورِ عالمؐ سے بے پناہ محبت اور عقیدت رکھتا ہے۔ یہ اس کے ایمان کی بنیاد ہے۔ ہر کوئی اپنے علم اور عقل کے مطابق اس عظیم ہستی کے ساتھ محبت اور عقیدت کا اظہار بھی کرتا ہے۔ کسی کو قدرت نے طبعِ رواں بخشی، تو وہ شاعری کرنے لگا، اور لغت لکھ کر محسنِ کائناتؐ کے حضور ہدیہ عقیدت پیش کیا۔ کسی کو نثر میں یہ قدرت ہوئی، تو سیرت نگار بن گیا، اور یوں عقیدت کے پھول پھنکار کئے۔ اور پھر انہیں صفوں میں غازی علم الدین شہیدؒ جیسے عاشقانِ رسولؐ بھی ہیں، جو حُبِ رسولؐ میں جان کا نذرانہ بھی پیش کر دیتے ہیں۔

ذرا غور کریں، تو ایک بات کھلتی ہے کہ حضور سرورِ کائناتؐ، رحمتہ للعالمینؐ سے محبت اور عقیدت، ہمارے عقیدے کا لازمی جزو ہے، حضورؐ کے ساتھ محبت اور چاہت رکھے بغیر کوئی شخص مسلمان ہی نہیں ہو سکتا۔ ہم اگر ایسا کرتے ہیں تو مذہبی عقیدت کے تحت اور اخروی نجات کے لئے۔

لیکن یہ عجیب بات ہے کہ حضور سرورِ کائناتؐ کی فضیلت اور عظمت کو غیر مسلموں نے بھی تسلیم کیا ہے۔ ان میں یورپ کے عیسائی بھی ہیں اور

ہندوستان کے ہندو سکھ اور بُدھ بھی شامل ہیں، یہ دُہ لوگ ہیں، جنہیں جناب رسالتؐ کے ساتھ کوئی مذہبی وابستگی نہیں۔ ان کی عقیدت کی بنیاد پیغمبر اسلام کے بارے میں ان کی تحقیق اور مطالعہ ہے۔ جناب رسالتؐ کی ذات اقدس کو جس زاویے سے پرکھا، کامل پایا۔ اور بالآخر وہ اس کا برملا اعتراف کرنے پر مجبور ہو گئے۔

اس سلسلے میں چند معروف غیر مسلم شخصیات کی تحریروں اور تقریروں سے اقتباسات ذیل میں دیئے جا رہے ہیں؛ ایک بات کا خیال رہے کہ اصل عبارات کی ترتیب و تدوین میں حسب ضرورت تبدیلی کی گئی ہے۔ انہیں سہل اور عام فہم بنانے کے لئے آسان متبادلات اور تراکیب استعمال کی گئی ہیں۔ تاہم اصل تحریروں کے بنیادی مفہوم اور روح کو برقرار رکھنے کی حتی الامکان کوشش کی گئی ہے۔

ان تحریروں کے انتخاب میں کتاب کا موضوع بھی پیش نظر رہا ہے۔ زیادہ تر وہ اقتباسات شامل کئے گئے ہیں جن کا کتاب کے عمومی موضوع "رسول رحمت" اور مختلف ابواب کے موضوعات سے براہ راست تعلق بنتا ہے۔

رحمت عالم :- حضور سرور کونینؐ کی شانِ رحمت کو اپنے تو اپنے غیر بھی تسلیم کرتے ہیں۔ انگلستان کے معروف صحافی اور مصنف مسٹر ڈی رائیٹ آپ کو ان الفاظ میں یہ عقیدت پیش کرتے ہیں :- "حضرت محمدؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم،

اپنی ملت اور قوم کے لئے ہی نہیں بلکہ پوری دنیا کے لئے ابرِ رحمت تھے۔ آپ نے بے انتہا کوشش کر کے ذاتِ پات کے فرق کو ختم کر دیا۔ آج مسلمانوں میں ذات، پات اور رنگ و نسل کا امتیاز نظر نہیں آتا، تو یہ آپ ہی کی تعلیمات کا نتیجہ ہے۔ آج تک کسی شخص نے آپ سے بہتر احکامِ خداوندی تعمیل نہیں کی۔ اور یہ کوئی معمولی بات نہیں کہ ان کے دشمن بھی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ انہوں نے اپنے مشن کو نہایت خوبی کے ساتھ پورا کیا۔ ایک ہندو ماہرِ تعلیم پروفیسر حسین دت حضورِ سرورِ کائنات کی شانِ محمدیہ کا مطالعہ کرتے ہیں، تو بے دریغ پکار اٹھتے ہیں۔ "اے پاک محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں آپ کے قدموں پر قربان جاؤں۔ اگر آپ نہ ہوتے تو قبائلِ عرب پر رحمت کا نزول کیسے ہوتا۔ حق تو یہ ہے کہ آپ کل کائنات کے لئے اللہ کی رحمت بن کر آئے۔"

دنیا پر حضورِ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احسانات کا مطالعہ کرنے کے بعد اس کے نہ مہنے والے ایک ہندو فاضلِ شری و نگارِ تمام یہ کہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ "دنیا پر جتنا احسان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ذاتِ مبارک نے کیا، کسی اور انسان نے نہیں کیا۔"

ایک اور ہندو فاضلِ سوامی برج ترائن جی حضورِ سرورِ عالم کو سلامِ رحمت تسلیم کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ "سب سے پہلی چیز یہ کہ خدا نے پیغمبر اسلام

راپا رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ اور اس کائنات میں عالم انسان، عالم حیوان، عالم نباتات،
عالم جمادات سب شامل ہیں۔

مشہور جرمن فلاسفر بروکس بھی اس ضمن میں لکھتے ہیں۔ میں نے
حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کو بغور پڑھا ہے۔ انہوں نے
رحمتِ خلق اور اصلاحِ اخلاق پر بہت زور دیا ہے، میری رائے ہے
۔ اگر کوئی غیر مسلم بھی ان تعلیمات پر عمل کرے تو بہت کچھ پاسکتا ہے۔
ایک اور مغربی مصنف ڈاکٹر جی ویل لکھتے ہیں، ”آپ کی خوش
خداقی، فیاضی اور رحمدلی محدود نہ تھی“

اس سلسلے میں بدھ مت کے ایک اہم پیشوا جناب مانگ توئنگ کا
بیان ہے۔ ”حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، کا ظہور نوع انسان پر خدا کی
ایک رحمت تھا۔ ہم بدھ لوگ ان سے محبت کرتے ہیں اور ان کا احترام
کرتے ہیں“

اس ضمن میں ایک ہندو عالم پنڈت دھرم دیو شامتری کا خیال ہے
کہ اس میں شک نہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، بنی نوع انسان کیلئے جیٹے۔
حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عالمگیر شخصیت پر تبصرہ کرتے ہوئے
نامور ہندو لیڈر مسٹر گاندھی لکھتے ہیں۔ کسی روحانی پیشوا نے خدا کی بارشاہت
کا ایسا جامع اور مکمل پیغام نہیں سنایا، جیسا کہ پیغمبر اسلامؐ نے سنایا۔ میں ان کی

تعلیمات کو دیگر پشتواؤں کی تعلیمات سے بہتر سمجھتا ہوں :

نعمت عظیم :- اللہ تبارک تعالیٰ نے قرآن حکیم میں حضور سرورِ عالم کے لئے

نعمت کا لفظ بھی استعمال کیا ہے اور مسلمانوں کو اس نعمت کا ذکر عام کرنے کی

تلقین بھی کی ہے۔ لیکن یہ وہ نعمت عظیم ہے، جس کا ذکر ہم نہیں کرتے، غیر مسلم

بھی خراج تحسین پیش کرتے ہیں۔

اس سلسلے میں ذرا "حیاتِ رسول پاک" کے مصنف ڈاکٹر الیسن کے

جذبات ملاحظہ ہوں۔

"اے شہر مکہ کے رہنے والے! اے آباؤ اجداد کے عز و شرف کو زندہ

کرنے والے! اے سارے جہاں کو غلامی کی لعنت سے نجات دلانے والے

دنیا آپ پر فخر کر رہی ہے اور خدا کی اس نعمت کا شکر ادا کر رہی ہے۔

اے ابراہیم خلیل اللہ کی اولاد! اے وہ کہ جس نے دنیا کو اسلام کی نعمت

بخشی! تمام لوگوں کو مستعد کر دیا اور خلوص کو اپنا شعار بنایا۔ اے وہ کہ جس

نے "اتما الاعمال بالنیات" کی تعلیم دی ہم آپ کے بے حد شکر گزار ہیں

اور احسان مند ہیں۔

اسی ضمن میں ایک اور مغربی دانشور پروفیسر لیک کے الفاظ ہیں :-

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف میں اس سے زیادہ کیا کہوں کہ آپ یتیموں

۱۔ انگریزی کتاب (WFE OF THE HOLY PROPHET (PBUH)

۲۔ حدیث مبارکہ، ترجمہ، اعمال کا انحصار یتیموں پر ہے۔

مسافروں، غریبوں اور بے کسوں کے لئے حقیقی رحمت اور نعمت تھے۔
خواتین کے محسن :- عورت کے مقام کو بلند کرنے کے سلسلے میں جناب
 رسالتؐ کی کوششوں کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے معروف عیسائی مصنف
مسٹر پیٹر کریسٹین لکھتے ہیں "حضرت محمدؐ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے عورتوں کے
 حقوق کی ایسی حفاظت کی کہ پہلے کسی نے نہیں کی تھی۔ وراثت اور جائداد میں
 ان کے حصے کو تسلیم کیا گیا۔ اسلام نے عورت کو اس زمانے میں وہ حقوق اور
 مراعات عطا کیں جو تعلیم یافتہ عیسائی عورت کو آج بیسویں صدی میں بھی حاصل نہیں"
 اسی موضوع پر ایک ہندو خاتون کملا دیوی کے خیالات ملاحظہ ہوں۔
 "آپؐ نے عورت کی مٹی ہوئی عزت کو بحال کیا اور اس کے حقوق مقرر کئے"
 بعض اسلام دشمن عناصر حضورؐ سرورِ عالم کی شادیوں پر زبردست تنقید کرتے
 ہیں، جو محض تعصب اور جہالت کی وجہ سے ہے۔ یہ صرف ہم ہی نہیں کہتے،
 بلکہ اس کی گواہی انہیں کے بھائی بند بھی دیتے ہیں، مثال کے طور پر
 ایک معروف مغربی مصنف مسٹر ایس ایچ لیڈر اس موضوع پر اظہار
 خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں،

"جب آپؐ بوڑھے ہو گئے تو محض برقتِ قلب کی وجہ سے جو آپؐ کو
 خاص طور پر عطا کی گئی تھی، کئی عورتوں کو محض ان کی حالت پر رحم کرتے
 ہوئے، اپنے نکاح میں لینا پڑا۔"

کثرت ازواج کے بارے میں دشمنانِ اسلام کے اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے ایک ہندو مصنف اور ماہرِ تعلیم جناب بی ایس کشالیہ لکھتے ہیں۔
 ”حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، پر کثرت ازواج کا بہتان باندھا گیا ہے۔
 لیکن یہ صریحاً غلط ہے۔ بے شک آپ کی کئی بیویاں تھیں، مگر اس میں نفسانی
 خواہش کا کوئی عمل دخل نہیں۔“

آپ مختلف طبقوں کی عورتوں کو نکاح میں لاکر ان کا سہارا بنے زیادہ تر
 بیوہ، یتیم اور غلام خواتین سے نکاح کئے۔ ایسا اس لئے کیا کہ دوسروں کیلئے
 مثال قائم ہو۔ اور زمانہ جاہلیت کی بڑی رسوم کا خاتمہ ہو۔“

غلاموں اور یتیموں کے محسن :- غلاموں اور یتیموں کی آزادی اور سر بلندی

کے لئے جناب رحمۃ للعالمین کی خدمات کا ذکر کرتے ہوئے ایک ہندو ماہر
 قانون یا بوجگل کشور کھنہ لکھتے ہیں۔

”حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، کے احسانات صرف ملک عرب پر ہی
 نہیں، بلکہ آپ کی تعلیم اور ہدایت کا فیض تو دنیا کے ہر گوشے میں پہنچا۔ غلامی
 کے خلاف سب سے پہلی آواز آپ ہی نے اٹھائی، اور غلاموں کو سگے بھائیوں
 جیسا مقام بخش دیا۔ آپ نے عورتوں کے مقام کو بھی بلند کیا۔ اور سود کو قلعاً
 حرام قرار دے کر سرمایہ داری کی جڑ کاٹ کر رکھ دی۔“

معاشرے کے ایک دھتکارے ہوئے طبقے، یتیموں پر حضور سرور کونین

کے احسانات کا ذکر کرتے ہوئے مشہور عیسائی فاضل مسٹرویری لکھتے ہیں: ”آپؐ نے یتیموں کی بہتری اور ان کی بد حالی دور کرنے کے لئے قابلِ تعریف اقدامات کئے۔ یتیموں پر ظلم کرنے والوں کے بارے میں آپؐ کے سخت رویے سے ثابت ہوتا ہے کہ آپؐ کے دل میں ان یتیموں کی اصلاح کی زبردست تڑپ تھی۔“

اخلاق حسنہ۔ صادق و امین :- حضور سرور کائناتؐ کے عمدہ اخلاق

کا ذکر کرتے ہوئے مشہور فرانسیسی مورخ موسیو سیدو لکھتے ہیں۔ ”یوں تو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، اُمّی تھے مگر عقل و دانش میں بے مثل تھے۔ آپؐ حلیم طبع اور نیک خلق انسان تھے۔ ہر کسی سے خندہ پیشانی سے پیش آتے۔ اکثر اللہ سبحانہ تعالیٰ کا ذکر کرتے یا خاموش رہتے۔ زبان سے کبھی کوئی غلط بات نہ نکالتے۔ فقرار اور مساکین کو دوست رکھتے تھے اور کبھی کسی کے رعب میں نہ آتے تھے۔“ ایک اور یورپی مصنف ہیریٹ وائل کے الفاظ ملاحظہ ہوں ”آپؐ بچہ صادق اور امین انسان تھے۔ آپؐ نے لوگوں کو گمراہی سے نکالا اور سیدھی راہ دکھائی۔“ نامور انگریز مورخ پروفیسر ایچ۔ جی ویلز اپنی انگریزی تالیف ”تاریخ کا ایک خاکہ“ میں لکھتے

”پیغمبر اسلامؐ کی صداقت کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ جو آپؐ کو سب سے زیادہ جانتے تھے، وہی آپؐ پر سب سے پہلے ایمان لائے۔ آپؐ نے ایک ایسے

معاشرے کی بنیاد رکھی، جس میں ظلم اور سفاکی کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔

دشمنوں کے لئے رحمت :- دشمنوں کے بارے میں جناب رسالت کی

شان رحمت کا ذکر ایک معروف ہندو مصنف جناب بی۔ ایس رندھاوا ان الفاظ میں کرتے ہیں۔

”تاریخ شاہد ہے کہ جس قدر پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ستایا گیا، اتنا کسی اور نبی کو تنگ نہیں کیا گیا، لیکن میں اُن کی شفقت، مروت اور رحمت کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا کہ نہایت صبر سے مظالم سہے، اور ظالموں کو کچھ نہ کہا۔ بلکہ انہیں دعائیں دیں۔ حد تو یہ ہے کہ طاقت اور اقتدار حاصل ہو جانے کے بعد بھی ان سے انتقام نہیں لیا۔“

اس سلسلے میں ایک ہندو ماہر تعلیم لالہ مہر چند لدھیانوی لکھتے ہیں۔
”دشمنوں کے ہاتھوں بانی اسلام کو ایسے ایسے ظلم پہننے پڑے کہ جن پر کمزور سے کمزور انسان بھی بگڑ کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ مگر آپ نے مقابلے کی طاقت ہونے کے باوجود کبھی بدلہ لینے کا نہ سوچا۔ وجہ یہ کہ آپ کو دُنیا کے لئے رحمت بنا کر بھیجا گیا تھا۔ مگر جب دشمنوں کی زیادتی حد سے بڑھ گئی اور اندیشہ پیدا ہو گیا کہ کہیں مسلمانوں کی قلیل جماعت کو ہی نہ کچل دیں، تو آپ نے انتہائی مجبوری کی حالت میں محض اپنے دفاع کی غرض سے طاقت کا استعمال کیا۔ ورنہ اگر آپ کا بس چلتا تو سرزمین عرب میں خون کا ایک قطرہ بھی نہ گرتا۔ ہر چند آپ کی ذات والا صفات سراپا رحمت و شفقت تھی۔“

نامور انگریز مورخ سینٹے لین پول دشمنوں کے لئے آپ کے عفو و درگزر کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں :

اہل مکہ آپ کے جانی دشمن تھے۔ مگر جب آپ ایک فاتح کی حیثیت سے شہر میں داخل ہوئے ، تو سب کو معاف کر دیا ، ایسی فتح اور ایسے پاکیزہ فاتحانہ داخلہ کی مثال تاریخ انسانی میں نہیں ملتی ۔

جانوروں کے لئے رحمت :- مشہور برطانوی مصنف ایس مارگولسٹھ جانوروں کے ساتھ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رویے سے بے حد متاثر ہیں ، لکھتے ہیں ۔
"آپ کی دروندی کا دائرہ انسانوں تک ہی محدود نہ تھا ، بلکہ آپ نے تو جانوروں کے ساتھ بھی علم و زیادتی کو سنت برا کہا ہے ۔"

غیر مسلم شاعروں کا بدیہ عقیدت

حضور سرورِ کائنات ، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں کی گئی شاعری کو نعت کہتے ہیں ۔ بے شمار مسلمان شعراء اس صنف میں طبع آزمائی کر کے دین و دنیا کی نعمتوں سے سرفراز ہوئے ۔ مگر لطف کی بات یہ ہے کہ اس فہرست میں مسلمانوں کے ساتھ ساتھ ہمیں بہت سے غیر مسلم شعراء کے نام بھی دکھائی دیتے ہیں ۔ ذیل میں ہندو شعراء کی لکھی ہوئی ، نعتیں ، نعتیہ غزلیں اور رباعیاں پیش کی جا رہی ہیں
وایسے ثناخوانِ رسولؐ کی فہرست طویل ہے تاہم اس سلسلے میں انتخاب سے کم لیا گیا ہے ۔

بیارے لال رونق

وفات: اندازاً ۱۹۱۵ء

تو ہے محبوب خدا چاہنے والا تیرا مرتبہ سارے رسولوں میں ہے بالا تیرا
 کلمہ صلّ علی ورو زباں رکھتا ہوں خواب میں دیکھ لیا ہے تیرا بالا تیرا
 بھر میں دل کے تڑپنے کے بیٹے ہیں انداز عشق ہے مجھ کو زمانے سے زلا تیرا
 عفو ہو جائیں گی محشر میں خطائیں ساری داویر حشر کو دون گامیں حوالا تیرا
 آہ کہ ہجر عسجد میں سنبھل کر اٹے دل عرش کے پار نکل جائے گا نالا تیرا
 لے اڑی آج صبا سوئے مدینہ دل زار ناتوانی نے بڑا کام نکالا تیرا
 نور سے ترے منور ہوئے دونوں عالم نظر آتا ہے ہر اک سمت اجالا تیرا
 گم یہی شوقِ مدینہ ہے تو ہاں بسم اللہ جانِ بیتاب ہوا دیس نکالا تیرا
 لے خبر جلد مری ناز سے سونے والے ہو گیا فرشِ زمین چاہنے والا تیرا

ہو گیا شوق میں وہ آج نثار احمد

دل جو رونق تھا بڑے نازوں کا پالا تیرا

بہودھری دِلورام کوثری

وفات : ۱۹۳۱ء

عظیم الشان ہے شانِ محمدؐ خدا ہے مرتبہ دانِ محمدؐ
کتبِ خانے کیے منسوخ سارے کتابِ حق ہے قرآنِ محمدؐ
نبیؐ کے واسطے سب کچھ بنا ہے بڑی ہے قیمتی جانِ محمدؐ
شرعیۃً طریقت اور حقیقت یہ تینوں ہیں کنیزانِ محمدؐ
فرشتے بھی یہ کہتے ہیں کہ ہم ہیں غلامانِ خدا مانِ محمدؐ
نبیؐ کا نطق ہے ، نطقِ الہی کلامِ حق ہے فرمانِ محمدؐ
خدا کا نور ہے ۔ نورِ پیبرؐ خدا کی شان ہے شانِ محمدؐ
ابوبکرؓ و عمرؓ عثمانؓ و حبیبؓ یہی ہیں چار یارانِ محمدؐ
علیؓ ان میں وصی مصطفیٰؐ ہے علیؓ ہے رنگِ بستانِ محمدؐ
علیؓ و فاطمہؓ شبیر و شبیر بسا ان سے گلستانِ محمدؐ

بتاؤں کوثری کیا شغل اپنا

میں ہوں ہر دم شمارِ خوانِ محمدؐ

۲

مجھے نعت نے شادمانی میں رکھا کہ مسمون شیریں زبانی میں رکھا

میں لکھتا رہا نعت اور حق نے شب بھر قمر کو مری پاسبانی میں رکھا
 نہیں اختیار اب سے کی نعت گوئی یہی شغل ہم نے جوانی میں رکھا
 درِ مصطفیٰ کی بلے گر گدائی تو پھر کیا ہے صاحب قرانی میں رکھا
 بہارِ ریا میں شنائے بنی نے دہن کو مرے گلشنِ ثانی میں رکھا
 بنی کے ہوئے نعت گو دو برابر کہ دونوں کو اک مدحِ غامی میں رکھا
 ہے حسان پہلا تو میں دوسرا ہوں نہیں فرق اول میں ثانی میں رکھا
 خدا نے اُسے سوئی محض عرب کی مجھے بزمِ ہندوستانی میں رکھا

لکھیں کوثری عمر بھر ہم نے نعتیں

نہ کچھ اور غمِ زندگانی میں رکھا

۳

جس دم رہا یا مجھ کو گناہوں کے بارانے
 میں شافع گناہ کو لگا پھر پکارنے

حضرت نے آگے مجھ کو سبکدوش کر دیا رحمتِ بڑی کی شافعِ روبرِ شمارنے
 دیکھا بنا کے جب محمدؐ کا حسن و نور محبوب اپنا کر یا پرور دگار نے
 ہے نامِ دروِ رامِ تخلص ہے کوثری
 دیر و حرم کی سیر کی اس خاکسار نے

سرخن پر شاد شاد

وفات ۱۹۲۰ء

بلوائیں مجھے شاد جو سلطانِ مدینہ
 وہ گھر ہے خدا کا تو یہ محبوبِ خدا ہیں
 روکیں گے نہ دربار میں جانے کے لئے شاد
 ہے قربِ نبیؐ ہی سے تو یہ عزت و اجلال
 لے جاؤں گا میں ساتھ فقط عشقِ محمدؐ
 دیکھے جو تجیر میں مرے عشقِ نبیؐ کو
 کھولے درِ محبت کو یہی کہتا ہے رفعا
 نشہ ہے وہ ان کو جو اترتا ہی نہیں ہے
 خاک رہ رہِ شرب کو بناؤں گا میں سرور
 اللہ دکھا دے تو مجھے روضہٴ اقدس
 کیوں میری شفاعت میں بعدِ دیر لگے گی
 کیا مجھ سے ثنا ہو سکے اک مودہوں ادنیٰ
 جاتے ہی میں بجاؤں گا قربانِ مدینہ
 کبے سے بھی اعلیٰ نہ ہو کیوں شانِ مدینہ
 پہچانتے ہیں سب مجھے دربانِ مدینہ
 قالب ہے مدینہ تو وہ ہے جانِ مدینہ
 تحفہ ہے مرے پاس یہ شانِ مدینہ
 سکتے ہیں رہے نرگسِ بستانِ مدینہ
 بے خوف چلے جائیں علما و اربابِ مدینہ
 توحید کی مے پیتے ہیں مستانِ مدینہ
 دیکھوں گا ان آنکھوں سے میدانِ مدینہ
 باقی کہیں رہ جائے نہ ارمانِ مدینہ
 کیا مجھ کو نہیں جانتے سلطانِ مدینہ
 اعلیٰ ہیں وہی جو ہیں سلیمانِ مدینہ

مومن جو نہیں ہوں تو میں کافر بھی نہیں شاد

اس رمز سے آگاہ ہیں سلطانِ مدینہ

پندت کیفی و آثار یہ

وفات : ۱۹۵۵

ہو شوق نہ کیوں نعتِ رسولؐ دو سرا کا

مضمون ہو عیاں دل میں جو لولاک تک کا

پہنچایا ہے کس ادجِ سعادت پہ جہاں کو

پھر رتبہ ہو کم عرش سے کیوں غارِ حرا کا

دے علم و یقین کو مرے رفعتِ بشر والا

نام ادبِ نچا ہے جس طرح مڑا اور صفا کا

یوں روشنی ایمان کی دے دل میں کہ جس سے

بطحا سے ہوا جلوہ فگن نورِ خدا کا

ہے حامی و مددِ مراد شافعِ محشر

کیفیت مجھے اب خوف ہے کیا روزِ جزا کا

ہری چند اختر

وفات : ۱۹۵۵

کس نے ذروں کو اٹھایا اور صحرا کر دیا

کس نے قطروں کو ملایا اور دریا کر دیا

زندہ ہو جاتے ہیں جو مرتے ہیں اسکے نام پر

اللہ اللہ موت کو کس نے مسیحا کر دیا

شوکت مغرور کا کس شخص نے توڑا ظلم

منہدم کس نے اپنی قصر کسریٰ کر دیا

کس کی حکمت نے یتیموں کو کیا گزیر یتیم

اور غلاموں کو نہ مانے بھر کا مولا کر دیا

کہہ دیا لا تقنطوا اختر کسی نے کان میں

اور دل کو سر بہر محو قسمت کر دیا

سات پردوں میں چھپا بیٹھا قحاحن پگانات

اب کسی نے اس کو عالم آشکارا کر دیا

آدمیت کا غرض سماں مہیتا کر دیا

ایک عرب نے آدمی کا بول بالا کر دیا

شیام سندر، سندر

دنیا کو تم نے آکر پُر نور کر دیا ہے اور غلستوں کو یکسر کا نور کر دیا ہے

پیغام حق سنا کر مسرور کر دیا ہے وحدت کی سُنئے ہلا کر محنور کر دیا ہے

اک بار تو دیارِ بیشر کو دیکھ لیتا پابندی جہاں نے مجبور کر دیا ہے

سندر سے کیا رقم ہو وہ شان ہے تمہاری

جس نے گدا گروں کو غفور کر دیا ہے

لالہ دھرمپال گیتا وفاق

چھڑا مکے بُت کی پرستش سکھائی تھی دمت میرے خیال کی تردید عام ہو جائے

سیاسیات سے مذہب ملا دیا تو نے کہ دین و دنیا کا سب انتظام ہو جائے

رفاہ عام ہی تیرا تھا جبکہ نصب العین لقب نہ کیوں تیرا خیر الائم ہو جائے

وفا جہاں میں وہ عالی مقام ہوتا ہے

عطا جسے مئے عرفان ہو جائے

تلوک چند محرم

مبارک پیشوا جس کی ہے شفقت دوست دشمن پر

مبارک پیش رو جس کا ہے سینہ صاف کینے سے

اپنی اوصاف کی خوشبو ابھی اطرافِ عالم میں

شیر کے اور مدینے سے

کتابیات

- ۱ - قرآن حکیم
- ۲ - بخاری شریف - مسلم شریف
- ۳ - مشکوٰۃ شریف
- ۴ - نسائی شریف
- ۵ - ترمذی شریف
- ۶ - سنن ابن ماجه
- ۷ - سنن ابوداؤد
- ۸ - مستداحمد بن حنبل
- ۹ - طبقات ابن سعد
- ۱۰ - سیرت ابن هشام
- ۱۱ - ارض القرآن از سید سلیمان ندوی
- ۱۲ - سیرت النبی جلداول تا ششم از شبلی نعمانی، سید سلیمان ندوی
- ۱۳ - محسن انسانیت از نعیم صدیقی
- ۱۴ - سیرت سرور دعوالم جلداول و دوم از سید ابوالاعلیٰ مودودی
- ۱۵ - تفہیم القرآن جلداول تا ششم از سید ابوالاعلیٰ مودودی

16- تاریخ اسلام از شاہ معین الدین

17- حج از ڈاکٹر علی شریعتی

18- رسول اکرم کی سیاسی زندگی از ڈاکٹر حمید اللہ

19- رحمتہ للعالمین جلد اول از قاضی محمد سلیمان منصور پوری

20- پیغمبر اسلام کے پیغام کی آفاقیت و مجموعہ مقالات بین الاقوامی سیرۃ کا نفرنس 56

21- رسول اکرم کی حکمت انقلاب از سید اسد گیلانی

22- نقوش سیرت نمبر جلد اول تا دوازدہم مرتبہ محمد طفیل

23- المواہب اللدنیہ (اردو ترجمہ از عبد البجبار خان، حیدر آباد دکن)

24- مقالات سیرت، مطبوعہ ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد

25- حضور اکرم اور ہجرت از اسد گیلانی

23- قصص الرسول از ریاض احمد سید

24 شواہد نبوت از مولانا عبدالرحمن جامی

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
رسولِ رحمت

②



ریاض احمد سید



انسٹی ٹیوٹ آف سمیرت سٹڈیز

پوسٹ بکس 2145

اسلام آباد
(پاکستان)